شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۲۵ شوال ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۶۴ ع

دمشق کی مشہور سیر گاہ
تکیہ سلیمانیہ جسکو
ترکی کے مشہور فرمان روا
سلطان سلیمان القانونی
نے تعمیر کیا

نبوت اور انسانی زندگی پر اسکے احسانات ص ۳
اندلس کی وادیوں میں ص ۵-٤
نصاب درجات خصوصی ص ١٦

نمبر ۲۵

سالانہ چندہ ۵ روپئے

Regd. No. L-1261

Phone 22913

TAMEER-E-HAYAT

DARUL ULOOM NADWATUL ULAMA LUCKNOW (INDIA)

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنیکے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول للعہ حصہ دوم عہ

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن، اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت عہ

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاد دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے ہر جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتلائے گئے ہیں اور جا بجا نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی کی سوانح عمری، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت عہ

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی رح

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامے سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، ملکی تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے قیمت مجلد ۲ روپیہ

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت شونا تھگنج یوپی

Printed by S. M. HASNI at Shahi Press Cover Printed at Nadwa Press LUCKNOW.

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات لکھنؤ
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱	۱۰ مارچ ۶۴ء مطابق ۲۶ شوال ۱۳۸۳ھ	شمارہ ۹

اس شمارے میں

دین کا جامع تصور ... ... ایڈیٹر ۱
نبوت اور انسانی زندگی پر اسکے احسانات ... مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۳
اندلس کی وادیوں میں ... ... مولانا محمد اویس ندوی نگرامی ۴
علامہ سید سلیمان ندوی ... ... مولانا عبدالماجد دریابادی ۶
بسم اللہ مجریہا و مرسہا ... ... سید محمد ثانی حسنی ... ۸
مسجد نبوی کی اذان ... (نظم) ... حکیم محمد کامل بحرالعلومی ... ۹
تہذیب مغرب کا غرور ... (نظم) ... جیب پالنپوری ... ۹
خطبات نبوی ... ... جیب الرحمٰن ندوی ... ۱۰
اسلام میں سنہ ہجری کی ابتدا ... ... سید الرحمٰن الاعظمی ... ۱۲
تھوڑی اہل حق کے ساتھ ... ... محمد یونس نگرامی ندوی ... ۱۳
عربی مدارس میں نصاب تعلیم ... ... مولانا اسیر ادروی ... ۱۴
کلکتہ کے واقعات اور اسکا مطالبہ ... ... مولانا منت اللہ رحمانی ... ۱۵
آل انڈیا مسلم گرلس ایجوکیشن بورڈ ... ... عبدالرزاق خاں ... ۱۵
نصاب تعلیم درجہ خصوصی ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین کا جامع تصوّر

محمد الحسنی

اسلام نے ہمیں دین کا جو جامع، وسیع اور عملی تصور عطا کیا ہے ــــ اس میں صرف عبادت ہی دین نہیں ہے بلکہ سارے جائز کام دین ہیں بشرطیکہ وہ رضائے الٰہی کی نیت اور اسی مقصد اور جذبہ کے ساتھ انجام پائیں۔ صرف سلبی طور پر وہ اس کا قائل نہیں ہے بلکہ اس کا ہم سے مطالبہ ہے کہ وہ کام جن کو ہم اپنا ذاتی کام تصور کرتے ہیں اور جنکا باعث ذاتی غرض اور مادی منفعت یا نفسانی لذت قرار دیتے ہیں، دین سمجھ کر اور دینی جذبہ اور دینی روح کے ساتھ انجام دیں، وہ اس تقسیم کا قائل نہیں کہ کچھ کام اللہ کے لئے ہیں اور کچھ انسانوں کے اپنے کام اور اپنی ضروریات ہیں جن کا خدا کی مرضی و مشیت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ الیہ یرجع الامر کلہ، ہر کام اور ہر معاملہ اس کی طرف لوٹایا جائے گا، ہم کو اپنے ہر کام اور ہر فعل اور تصرف کا جواب دینا ہوگا، اس دنیا کی ہر چیز ہماری آخروی کامیابی، نجات اور رفع درجات کے لئے پیدا کی گئی ہے اور ہماری زندگی روحانی کمال کے نقطۂ عروج پر اسی وقت پہونچ سکے گی جب ہم اس دنیا کو بھی دین بنالیں گے اور اپنے تقاضے اور ضروریات اور حقوق و واجبات رضائے الٰہی اور فلاح آخروی کو پیش نظر رکھ کر پورے کرنا شروع کریں گے۔

اگر یہ دنیا انسان کے لئے اور انسان آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس دنیا کی ساری جائز چیزیں، سارے جائز تعلقات اور حقوق و لوازمات انسان کی کامیابی و فلاح، اس کی روحانی ترقی اور اس کے اجر و ثواب اور درجات میں اضافہ کے لئے ہونے چاہئیں۔

اشیاء اور حقوق کے غلط استعمال سے پرہیز اور وسیلۂ آخرت سمجھتے ہوئے ان کا صحیح استعمال اسلام کی حقیقی روح اور بنیادی دعوت ہے ہماری تجارت بھی عبادت ہے خواہ وہ چھوٹے پیمانے کی ہو یا بڑے پیمانے کی، بشرطیکہ اس کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اس کے ذریعے جو نفع حاصل ہوگا وہ اہل حق .... اور اہل حاجت پر صرف ہوگا اور بخل اور اسراف کی آمیزش سے پاک ہوگا۔ اسی تجارت کے متعلق حدیث کی یہ بشارت ہے کہ:۔ التاجر الصدوق الامین المسلم مع الشھداء یوم القیامۃ سچا، امانت دار مسلمان تاجر قیامت میں شہداء کے ساتھ ہوگا۔

ہم اگر کوئی بڑا کارخانہ چلاتے ہیں اور کثیر سرمایہ حاصل کرتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے، بشرطیکہ اس سرمایہ سے ہم بے روزگاروں کی، اہل حاجت کی حاجت روائی، دین کی اشاعت و ترقی اور اسی طرح کے دوسرے کاموں میں مدد لیں اور اسے صرف اپنی ذات یا اپنے خاندان کے عیش و آرام اور راحت و آسائش پر صرف نہ کریں۔ اس سرمایہ کے متعلق صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

علوم و کیفیات

یہ بھی یاد رکھئے۔ کہ نبوت محمدی نے جس طرح علوم و احکام کا ایک بے پایاں دفتر اور وسیع ترین ذخیرہ چھوڑا (قال الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم) یہ ذخیرہ قرآن وحدیث فقہ واحکام کی صورت میں محفوظ ہے، اور آپ کا مدرسہ بمصداق اسکی خدمت واشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے، اسی طرح نبوت محمدی نے کچھ اوصاف، خصوصیات، اور کیفیات بھی چھوڑے۔ جس طرح پہلا سرمایہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے اسکی حفاظت واشاعت کا انتظام کیا، اسی طرح دوسرا سرمایہ بھی برابر منتقل ہوتا رہا ہے اور اللہ نے اسکی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے، یہ اوصاف وخصوصیات کیا ہیں؟ یقین واخلاص، وایمان واحتساب، تعلق مع اللہ، انابت اخبات، خشوع وخضوع، دعاء وابتہال، استغناء و توکل، اعتماد علی اللہ، درد و محبت، خود شکنی وخود داری، نبوت علوم واحکام اور اوصاف کیفیات دونوں کی جامع تھی، ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ، [illegible]وت محمدی سے صرف علوم و احکام لینا اور کیفیات [illegible]اوصاف کو ترک کردینا ناقص وراثت ہے اور نامکمل [illegible]یابت، دنیا میں جن لوگوں نے نبوت کی نیابت کی اور اسلام کی امانت ہم تک پہونچائی، وہ صرف ایک حصہ کے [illegible] نہ تھے، وہ دونوں دولتوں سے مالا مال تھے اب [illegible] اسلام کی دعوت، اور اسلامی انقلاب صرف پہلے [illegible] سے برپا نہیں کیا جاسکتا، آپ کو جن اسلاف کی [illegible] نسبت کا شرف حاصل ہے، وہ بھی ان دونوں [illegible]صیتوں کے جامع تھے، آپ اگر حقیقی نیابت کے [illegible] بلند پر سرفراز ہونا چاہتے ہیں، تو آپ کو اس [illegible] کی کوشش کرنی پڑیگی، اسکے بغیر علم وفن کی صناعی [illegible] پھول ہیں، جن میں نہ خوبو نہ تازگی، آج دنیا [illegible]زار میں کاغذی اور ولایتی پھولوں کی کمی نہیں، ہم [illegible] اس میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کرسکتے، یہاں [illegible] کے باغ کے شاداب پھول چاہئیں، جو مشام جان [illegible] کردیں، اور جن کے سامنے دنیا کے پھول شرما [illegible] (فوقع الحق وبطل ما کانو یعملون۔)

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابوالعرفان ندوی، قائمقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اوّل دارالعلوم ندوۃ العلماء

سالانہ ۵ روپے ششماہی ۳ روپے | فی کاپی ۲۵ نئے پیسے | ممالک غیر کے لیے (ایک پاؤنڈ سالانہ)

ترسیل زر و انتظامی امور کے لیے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

اسسٹنٹ ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہوسکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پرزور گزارش ہے کہ حسب ذیل عطیات عطا فرماکر دینی لٹریچر کی نشرو اشاعت اور امداد کی امانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ــــــ 200-00
معاونین سے ــــــ 100-00 / 50-00
اعزازی خریداران سے ــــــ 25-00

نعم المال الصالح للرجل الصالح — پاکیزہ مال صالح آدمی کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔

ہم اگر اپنی صحت اور دماغی قوتوں کے لئے اچھی غذا کا استعمال کرتے ہیں، ورزش اور کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں اور اس طرح کے اور دوسرے جائز راستے اور طریقے اختیار کرتے ہیں تو وہ بھی عبادت ہے اگر ہماری نیت اور مقصد یہ ہو کہ ہم بہتر صحت کے ساتھ دین کی زیادہ خدمت اور خدا کی زیادہ عبادت کرسکیں گے اسی صحت کے متعلق حضور کا ارشاد ہے لا باس بالغنی لمن اتقی والصحة لمن اتقی خیر من الغنی وطیب النفس من النعیم (جو پرہیزگار ہے اس کے لئے دولت مضر نہیں اور صحت پرہیزگار کے لئے دولت سے بہتر ہے۔ اور خوش دلی ایک نعمت ہے)

لیکن اس موقع پر ہمیں اس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہوگا اگر ہمارے پڑوس میں ایسے غریب بھی ہیں جن کو دو وقت کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے ضروری کپڑا بھی میسر نہیں تو ہمارا پہلا فرض یہ ہوگا کہ ان کی مدد کی جائے خواہ اس کا بوجھ ہماری اچھی غذا اور ہماری کمائی ہوئی دولت پر پڑے اس لئے کہ اس وقت دین کی خدمت اور عبادت یہی ہوگی

اسلام کی تعلیم ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو بے قیمت نہ سمجھیں اور یہ محسوس کریں کہ اس کے ذریعہ ہمیں عمل صالح کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یتمنی احدکم الموت ولا یدع به من قبل أن یاتیه، انه اذا مات انقطع عمله وانه لا یزید المؤمن عمره الا خیرا

(تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ اس کی دعا کرے قبل اس کے کہ خود اس کی موت کا وقت آجائے اس لئے کہ اس کی موت سے اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔ مومن کے لئے اس کی عمر اس کے خیر میں اضافہ کرتی ہے۔

اس دنیا میں مومن بھی زندگی گزارتے ہیں اور کافر بھی، اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے بھی اور اس کے دین کے باغی بھی، دونوں کے لئے زندگی کے کچھ مطالبات اور ضروریات ہیں جن کو وہ پورے کرتے ہیں انسانی یا حیاتیاتی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں جو کچھ فرق ہے وہ حلال و حرام میں تمیز اور نیت و مقصد کا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وهو الذی خلق الموت والحیاة لیبلوکم ایکم احسن عملا" (اور وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرنے والا ہے)

قل هی للذین آمنوا فی الحیاة الدنیا خالصة یوم القیامة

ان پاکیزہ اور جائز چیزوں کے استعمال میں دونوں شریک ہیں لیکن مومن چونکہ اس کو آخرت کے لئے استعمال کرتا ہے اس لئے وہ آخرت میں اس کے لئے مخصوص ہوں گی اور کافر اس کو اپنی دنیاوی ترقی اور دنیاوی عزت اور شہرت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں اس کا فائدہ اٹھا لیتا ہے اور جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے ماله فی الآخرة من نصیب (آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں)

ایک حدیث میں آیا ہے:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله (اہل ایمان میں سب سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور اپنے اہل کے لئے سب سے زائد لطف و محبت کا برتاؤ کرنے والا ہو)

ایک اور حدیث میں آیا ہے:-

اذا انفق الرجل علی اهله نفقة یحتسبها فهی له صدقة (اگر کوئی شخص اپنے اہل پر اجر کی لالچ میں خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے)

اب اگر مومن اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر اطاعت و انقیاد کے جذبہ کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہے تو اسکے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس کی ساری زندگی کو عبادت اور ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے اور بیوی کے ساتھ اس کا حسن سلوک جو اب تک صرف ایک بشری اور انسانی تقاضہ تھا نیت کی تبدیلی کی وجہ سے اس کے لئے زاد آخرت اور اس کی روحانی ترقی کا زینہ بن جاتا ہے۔

ہم کو اپنی زندگی کے ایک ایک گوشہ اور جزئیہ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ آخرت ہر وقت ہمارے مد نظر ہے۔ اسلامی نظام میں انسانی زندگی کے نازک سے نازک اور مخفی سے مخفی پہلوؤں میں بھی مکمل اور جامع ہدایات ملتی ہیں اگر ہم صرف دعاؤں کی تفصیل میں جائیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کیلئے ہمیں کوئی نہ کوئی دعا نہ بتائی گئی ہو۔ یہ دعائیں ہمیں ہر وقت اپنا مقصد اولین یاد دلاتی ہیں اور ہمارے اندر خدا سے تعلق، آخرت کا یقین، جنت کا شوق اور عذاب کا خوف پیدا کرتی ہیں

یہ دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ آخرت ہمارے لئے اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ ہمارا ہر فعل اور ہر عمل اس کی تیاری میں صرف ہونا چاہئے۔ خدا پر ایمان و یقین حدود الٰہی کا لحاظ اور ایمان و احتساب وہ دائرہ (...) ہے جس کے اندر ہمارا ہر عمل وسیلہ آخرت اور ذریعہ نجات بن سکتا ہے اور ہم اپنے انسانی تقاضے اور ضروریات پوری کرتے ہوئے اور حقوق ادا کرتے ہوئے بھی رضائے الٰہی حاصل کر سکتے ہیں اور بڑے بڑے درجات تک پہونچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اس سے یہ دعا مانگیں:-

ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانك فقنا عذاب النار

دنیا کی یہ سب چیزیں اور ضرورتیں دلچسپیاں اور تعلقات بیکار نہیں پیدا کئے ہیں ان کا ایک مقصد ہے جو دعا کے آخری ٹکڑے میں بیان کیا گیا ہے یعنی "آگ کے عذاب سے نجات۔"

مومن کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس دنیا میں رہنے اور شریعت کے حدود ... اسکو استعمال کرنے، برتنے اور اس کے جائز وسائل سے فائدہ اٹھانے کے باوجود اسکا دل آخرت میں اٹکا رہے، وہ کمائے لیکن جمع کرنے یا اسراف کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی راہ اور اسکے بندوں کی ہدایت پر خرچ کرنے کیلئے وہ اپنی صحت کی پوری فکر کرے لیکن اسے ناجائز کاموں اور غلط جگہوں پر استعمال کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی ترقی و اشاعت اور تبلیغ و دعوت کے لئے قرآن مجید میں آیا ہے: والذین یؤتون ما آتوا وقلوبهم وجلة انهم الی ربهم راجعون (وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں، اس میں سے جو انہیں دیا گیا ہے اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو خدا کے حضور میں جانا ہے)

اس کی ہر ہر ادا اور ہر ہر فعل سے یہ بات ظاہر ہو کہ یہ دنیا اسکا اصل نشیمن نہیں، اس کی زندگی مسافر کی زندگی معلوم ہو جب وہ آخرت کی نعمتوں اور خدا کے انعام و اکرام کو یاد کرے تو یہ دنیا اس کو قید خانہ یا قفس معلوم ہونے لگے اور یہ زندگی اس کے دوش پر بار گراں بن جائے اسی بات کو حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر (دنیا مومن کے لئے قیدخانہ ہے اور کافر کیلئے جنت ہے) اسکو آخرت کا ایسا یقین ہو جیسے وہ قلب و روح کی نگاہ سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اس کا (باقی ص ۱۵ پر)

قرآن کا پیام

نبوت اور انسانی زندگی پر اسکے احسانات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ تقریر مولانا نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ میں کی اس کی پہلی قسط پیش خدمت ہے

میرے دوستو اور بزرگو!

جس جگہ اس وقت ہم اور آپ جمع ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو کا موضوع "نبوت، دنیا کو اس کی ضرورت اور انسانیت پر اس کے احسانات" ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام کے عظیم مرتبہ مخلوق پر ان کے زبردست احسانات اور زندگی پر ان کے گہرے اثرات کا تذکرہ کیا جائے، خاص طور پر ان سب کے امام اور خاتم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نبوت آخری اور عمومی نبوت اور جن کی امامت ہمیشہ باقی رہنے والی امامت ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مکمل شریعت اور محفوظ کتاب (قرآن مجید) سے نوازا ہے اور انسانیت کی فلاح و سعادت، زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود ان کے ایمان اور ان کی اتباع میں منحصر کر دی ہے اور اس پاک شہر کو ان کے دار ہجرت اور آخری آرام گاہ کے طور پر انتخاب کیا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں وحی و رسالت کے ذریعہ آسمان کا زمین سے اتصال قائم ہوا۔

جس کسی کو اس پاک سرزمین میں کچھ کہنے کا موقع مل رہا ہو اور اس کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اس کا لحاظ کرنا چاہئے کہ وہ اس ذکر کے علاوہ کوئی اور ذکر نہ چھیڑ دے جو اس جگہ کا تقاضا، ایمان کا فیض اور شکر و احسان شناسی کا ادنیٰ حق ہے۔

و اذا نزلنا منزلا لاهله الندی
اینقا و بتنا من النور حاییا
اجد لنا طیب المکان وحسنه
منی فتمنینا، فکنت الامانیا

جامعہ کا انسانی مقصد

اسلام میں ہر مدرسہ اور جامعہ کا اور خاص طور پر اس درگاہ کا جو بلد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہو رہی ہو اولین مقصد اور نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ اعتنا نبوت کی اس نعمت عظمیٰ کا بساط کرے جس سے بڑی کوئی نعمت اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ وہ اس کی قدر کرے، اس کا شکر بجالانے کی فکر کرے اور اس کی کوشش کرے کہ وہ اس کی داعی و حامل اور اس کی نقیب ثابت ہو اور زندگی کے اس کارزار میں جس میں جاہلیت اور بغاوت و ارتداد کے جھنڈے جگہ جگہ لہرا رہے ہیں نبوت محمدی کے کیمپ میں شامل ہو اور اس کے جھنڈے کے نیچے اپنی زندگی کا آغاز کرے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے لئے نبرد آزما اور اس کے لئے سینہ سپر ہو خواہ وہ فکری و اعتقادی شعبے ہوں یا عملی اور تطبیقی اخلاقی و اجتماعی ہوں یا تمدنی اور سیاسی۔ اس کے فرزندوں کا اور اس مدرسہ کے نکلنے والوں کا مستقل شعار اور بلند مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ نبوت اور منہاج نبوت کو ہر فلسفہ اور طریقۂ زندگی پر ترجیح دیں گے اور ہر طرز فکر اور طرز عمل اور تمدن کی ہر قسم اور انسانی معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر گروہ پر فوقیت دیں گے۔ یہ اساسی مقصد اور بنیادی کام، علوم و مضامین کی تدریس سے اہم اور مقدم ہے جس کا اہتمام مدارس اور اسلامی جامعات میں کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ہمارا نعرہ اور شعار ہونا چاہئے۔

اصل، فیصلہ کن اور حقیقی معرکہ درحقیقت جاہلیت اور نبوت کے درمیان ہے جس کی نمائندگی اس زمانہ میں اسلام کر رہا ہے۔ یہ وہ ازلی و ابدی معرکہ ہے جو ہمیشہ سے برپا ہے اس کے علاوہ دنیا میں جتنے معرکے ہیں وہ ظاہری اور سطحی معرکے ہیں یا یہ کہیے کہ خانہ جنگیاں ہیں جس طرح ایک خاندان کے افراد کسی حقیر چیز کے لئے لڑ پڑتے ہیں یا جس طرح بچے اپنی کمسنی اور ناسمجھی کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، اصولی معرکہ اور ابدی معرکہ یہی جاہلیت اور نبوت کا معرکہ ہے۔

اس لحاظ سے یہ موضوع جامعہ کے لئے اولین موضوع ہونا چاہئے۔ اور سب سے پہلے اسی موضوع پر بات ہونی چاہئے۔ وہ جامعہ جو مدینۃ الرسول میں قائم ہوا ہے، وہ مدینۃ الرسول اسلام کا مرکز، قلعہ ایمان کی پناہ گاہ، مرکز وحی و رسالت اور نبوت کے طویل سفر اور اس کی روشن و معزز تاریخ کا آخری نقطہ ہے۔

زمانہ کو اس اہم تذکرہ کی ضرورت

اس تذکرہ اور اس گفتگو کی ضرورت آج ہر جگہ، ہر علمی اکیڈمی اور بڑی یونیورسٹی میں نظر آتی ہے۔ یورپ کی یونیورسٹیوں اس کے بڑے بڑے علمی مرکزوں، اقوام متحدہ اور عالمی ثقافت کی انجمن سب کو اس کی شدید احتیاج ہے۔ انسانیت کی بدنصیبی اور موجودہ تمدن کا اصل مسئلہ باوجود اس کے کہ ترقی و خوشحالی کے سارے اسباب اس کے ہاتھ میں موجود ہیں، یہ ہے کہ اس کے قائدین نے تعلیمات نبوت کے خلاف بغاوت کی ہے اور ان بنیادوں سے بے نیاز ہو کر تمدن اور زندگی کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا سبب اصل اس چیز سے استغنا بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں استکبار ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔ وہ آج بھی زبان حال اور زبان قال سے یہی کہتے ہیں کیا یہ انسان ہمیں ہدایت دینے کے لئے آیا ہے، کیا یہ امی ہمیں سکھانے پڑھانے کے لئے آیا ہے کیا یہ فقیر و تہی دست ہم کو خوشحال بنانے آیا ہے، کیا یہ بدو ہم کو تہذیب و تمدن سے آشنا کرنے کے لئے آیا ہے؟

لیکن اگر بدقسمتی سے ہم آج اس بات کو یورپ و امریکہ اور ایشیا کی یونیورسٹیوں میں نہیں کہہ سکتے یا حالات اس کے لئے سازگار نہیں پاتے تو کم از کم مدینہ یونیورسٹی میں اس بات کو صاف و واشگاف طریقہ پر کہنے سے تو ہم عاجز نہیں ہیں؟ (بقیہ ص ۱۳ پر)

اندلس کی وادیوں میں

مولانا محمد اویس ندوی نگرامی

یارب مرا ثابت قدم از کوئے قاتل بگزراں
من سر بجیب انداختہ او تیغ عریاں در بغل

۹۲ھ، ۷۱۱ء کی ایک سہانی صبح اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی جبکہ سپہ سالار طارق اور ان کے بارہ ہزار مجاہدوں کا مقابلہ لذریق شاہ اسپین کی ایک لاکھ غرق آہن سپاہ سے ہوا

یہ سپاہ گھوڑوں اور قیمتی اسلحہ سے آراستہ تھی مگر مجاہدین کے پاس نہ گھوڑے تھے نہ پورے اسلحہ ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں بیدار مغز طارق نے واپسی کے تخیل کو مٹا دینے کے لئے بحر زقاق عبور کرنے کے بعد جہازوں کو جلوا دیا تھا۔ بعض مجاہدوں کو اس میں کچھ تردد بھی ہوا مگر طارق کسی اور ہی نشہ میں سرشار تھے۔

طارق چوں برکنار اندلس سفینہ سوخت
گفتند ایں کار تو بہ نگاہ خرد خطا است
دور ایم از سواد وطن باز چوں رسیم؟
ترک سبب از روئے شریعت کجا روا است
خندید و دست خویش بشمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما ست۔

طارق نے اندلس کے کنارے جب جہازوں کو جلوا دیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ کا یہ کام عقل کے خلاف ہے ہم وطن سے دور ہیں اب واپسی کیسے ہوگی؟ اسباب کا ترک شریعت میں کب جائز ہے۔ طارق ہنسے اپنا ہاتھ تلوار پر رکھے اور کہا کہ ہر ملک ہمارا ملک ہے جو ہمارے خدا کا ملک ہے۔

طارق نے مجاہدوں کے سامنے ایک پرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا "خوب سمجھ لو اب تمہارے بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ سمندر تمہارے پیچھے اور دشمن تمہارے آگے ہے اور قسم اب پامردی اور استقلال کے سوا تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ یہ دونوں طاقتیں مغلوب نہیں ہو سکتیں یہی دونوں فتح مند فوجیں ہیں جن کو فوج کی قلت تعداد نہیں پہونچا سکتی ہے۔ خبردار! پستی کو نہ قبول کرنا تمہارے لئے مشقت اور جفاکشی کے ذریعہ شرف و عزت راحت و آرام اور حصول شہادت کے ذریعہ ثواب آخرت مقدر کیا گیا ان سعادتوں کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھو مجاہدین اسلام اور شاہ اسپین کی فوج کے

درمیان نو دن کی معرکہ آرائی رہی بالآخر لذریق کو شکست ہوئی اور اسپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

اندلس کی حکومت اسلامیہ خدا کے یہاں سے بقائے دوام کی سند لیکر نہیں آئی تھی حالات بدلے اور ۹۲ھ کی صبح درخشاں ۸۹۷ھ ۱۴۹۲ء میں شام غریباں کی شکل میں تبدیل ہوئی رہی اور جس اسلامی مملکت کی ابتدا طارق کے بے نظیر مجاہدانہ خطبہ سے ہوئی تھی اس کی انتہا ملکہ عائشہ کے ان جملوں پر ہوئی جو انھوں نے اپنے بیٹے اور اندلس کے آخری تاجدار ابو عبداللہ سے اس وقت کہا تھا۔ جب کہ وہ اپنے محل پر آخری نگاہ حسرت ڈال کر رو پڑے تھے۔ عائشہ نے کہا تھا۔

"مردوں کی طرح جب اپنے گھر کو نہ بچا سکے تو عورتوں کی طرح رونا کیسا؟"

بہرحال جہاں ہم آٹھ سو سال حاکم بن کر رہے تھے اب وہاں محکوم بن کر رہنے کی جگہ نہ تھی جہاں کی زمین کا ہر ٹکڑا ہماری عظمتوں کا شاہد اور امین تھا۔ اب وہاں کے ذرہ خاک پر بھی ہمارا حق نہ تھا ہمارے دار العلوم، کتب خانے اور ہماری مسجدیں۔ کلیسا بن گئیں۔ ہم نے اپنے عہد حکومت میں جن نصرانیوں کو مذہبی اور تمدنی ہر طرح کی آسانیاں دے رکھی تھیں۔ انھوں نے اپنے دور اقتدار میں ہم کو نصرانیت قبول کرنے پر مجبور کیا اور اگر ہم نے نہ قبول کیا تو ہم کہیں ملک بدر کئے گئے کہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور کہیں ایندھن کی طرح جلائے گئے یہ جو کچھ ہوا بلا شبہ اس میں ہماری غفلتوں اور کمزوریوں کا بڑا دخل ہے۔

انچہ ما کردیم برخود ہیچ نابینا نہ کرد
درمیان خانہ گم کردیم صاحب خانہ را

لیکن جب ہم اندلس کی تباہی اور بربادی کا تجزیہ کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی ظالم قوم کسی جماعت کو ہلاک یا پریشان کرنا چاہتی ہے تو وہ

اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کیا کیا طریقے اور کیسی کیسی تدبیریں اختیار کرتی ہے؟ اس لحاظ سے یہ داستان زوال بھی بے حد کار آمد اور بڑی قیمتی چیز ہے۔

ان غم انگیز اور دردناک واقعات کو سننا اور سنانا کچھ آسان نہیں ہے مگر دل مضبوط کر کے کچھ نہ کچھ ضرور سن لینا چاہئے شاید کسی "مظلوم قوم" کو ماضی کے آئینہ میں اپنا حال نظر آجائے اور گذشتہ تجربات آئندہ کے لئے مفید ہوں۔

اندلس میں جب مسلمانوں نے ستارۂ اقبال زوال میں آیا اور ہلالی پرچم کی جگہ تثلیث کا علم بلند ہوا تو نئے ارباب حل و عقد کا انداز فکر یہ تھا کہ

"امت محمدیہ (صلی اللہ علی صاحبہا) کی تباہی سے خدا کی بادشاہت بڑھے گی اور اگر ملک میں ایک ہی مذہب ہوگا تو امن و امان رہے گا"[1]

چارلس پنجم نے یہ عزم مصمم کر لیا کہ سلطنت اسپین میں وہ ایک ہی دین کو رہنے دیں گے[2] ملک بھر میں ایک ہی مذہب کے نظریہ نے اندلس کی سرزمین کو جو کچھ کر دکھایا۔ شاید چشم فلک نے ایسے دردناک مناظر کم دیکھے ہوں گے۔ حاکمانہ نخوت و پندار نے نئے حاکموں کو عام انسانی اخلاق سے بھی محروم کر دیا تھا وہ جوش اور غضب سے مجنون ہو رہے تھے اور ہر ممکن طریقے سے پورے اندلس کو عیسائی بنا لینا چاہتے تھے اس مقصد کی تحصیل کے جس ظالمانہ طریقے سے قتل و خونریزی و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا۔ مغربی مصنفین بھی اس پر شرمندہ ہیں تبدیل مذہب کے لئے جبر و تشدد، جلاوطنی اور زندہ جلا دینے کے جو واقعات پیش آئے شاید تاریخ میں اس کی مثال نہ مل سکے۔

ان وحشیانہ اور بہیمانہ واقعات کے سوا سوچی سمجھی پالیسی کے ماتحت طرح طرح کے الزامات لگا کر مسلمانوں کو ستانے اور پریشان کرنے کے مواقع نکالے گئے۔ ان کو ملک کا دشمن بتایا گیا اور دوسرے ملکوں کی جاسوسی کا الزام لگایا گیا۔ ان کے اسلحہ ضبط کئے گئے وہ جائداد سے محروم کئے گئے ملازمتوں سے الگ کئے گئے۔ ان پر جرمانہ کیا گیا، ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ عربی زبان چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اسلامی لباس اختیار کرنے پر سزائیں دی گئیں تعصب کی وجہ سے شہروں تک کے بھی نام بدل دیئے گئے مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص فکر کی گئی تاکہ آئندہ کی نسلیں

---

[1] مولانا ص ۹۵ یہ کتاب مشہور مغربی مصنف مسٹر ہنری چارلس کی کتاب مور سکوز کا اردو ترجمہ ہے [2] ایضاً ص ۸۰

"نجات ابدی" پا سکیں اس غرض سے بے شمار مسلمان بچوں کو چھڑا لیا گیا۔ قدیم مساجد کو کلیسا بنایا گیا اور نئی مساجد کی تعمیر پر پابندیاں لگائی گئیں۔

مختصر یہ ہے کہ اندلس کی نئی حکومت نے "آنے والے ظالموں اور جابروں" کے لئے ظلم و ستم جور و جفا کی نئی راہیں کھول دیں اور وہاں کے مظلوموں اور مجبوروں کی روداد غم دنیا کے دوسرے ستم زدوں کے لئے سامان عبرت بن گئی۔

اندلس میں اسلام سے عداوت، دین مسیحی کی اشاعت اور مسلمانوں کو ستانے اور پریشان کرنے کے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ نمایاں طریقہ مسیحیت کی جبریہ تبلیغ کا تھا۔

ہنری چارلس کا بیان ہے کہ اشاعت دین مسیحی کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئیں ان میں ترغیب کا دخل کم تھا اور ترہیب کا زیادہ (ص ۲۹)

جو ذرائع حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کے پھیلانے میں اختیار کئے گئے وہ کسی طرح رفق و ملاطفت کے نہ تھے (ص ۱۳)

کلیسا کا اصول تھا کہ دین کی اشاعت جبر و تشدد سے نہ کی جائے اس لئے کہ جبر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ قتل کر دینے کی دھمکی جبر نہیں یہ فیصلہ قانون دین میں شامل کر دیا گیا (ص ۷۰)

مسٹر لی نے اپنی کتاب میں ان مظالم کو متفرق طور پر بیان کیا ہے ہم ان منتشر معلومات کو اختصار کے ساتھ ایک جگہ مرتب کئے دیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے مصائب و آلام کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ مسٹر لی کہتے ہیں کہ

"جب موقع آیا تو کوئی خونخواری ان کی دینی عیسائیوں کی مذہبی دیوانگی سے زیادہ سخت نہ تھی جب اگست ۱۴۸۷ء کو ملاغہ کو فتح کیا گیا تو جتنے عیسائی مرتد[1] وہاں ملے سب کو سخت ایذائیں دے دے کر مارا جتنے نو عیسائی تھے سب کو جلا دیا اور جتنے شہری تھے سب کو غلام بنا لیا، ۱۸ دسمبر ۱۴۹۹ء کو تین ہزار مسلمانوں کو اس طرح اصطباغ دیا گیا کہ سب کو ایک جگہ بٹھا کر ان پر پانی چھڑک دیا گیا اور البیسن کی مسجد کو گرجا بنا دیا گیا۔

جب مسلمانوں نے یہ کیفیت دیکھی کہ ان کے بھائی اتنی تعداد میں عیسائی ہوتے جا رہے ہیں تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے تفہیم سے روکنا چاہا تو ان سب کو پا بجولاں قید کر دیا گیا اور ان پر بہت سختی کی گئی۔ باشندگان البیسن کے سامنے شرطیں پیش کی گئیں کہ یا تو وہ عیسائی ہونا منظور کر لیں یا وہ سزا پائیں، محاسبین کو مسلمانوں پر اختیارات کامل دے دیئے گئے تھے۔ متواتر ایک صدی تک وہ ان کو ستاتے رہے کبھی ان پر جاسوس چھوڑتے کبھی ان کی ضبطیاں کیں کبھی ان کو زندہ جلا دیا۔ ویگا میں جو مسلمان عیسائی بنائے گئے ان کو ملا کر تمام نو عیسائیوں کی تعداد پچاس ہزار سے لیکر ستر ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ اندراش کی جمعہ مسجد میں عورتوں اور بچوں نے پناہ لی تھی اس لئے مسجد کو بارود سے اڑا دیا گیا جب بلفیق پر قبضہ کیا گیا تو تمام مردوں کو قتل اور عورتوں کو کنیزیں بنا لیا گیا

فرڈی نینڈ نے اعلان عام جاری کیا کہ جو لوگ عیسائی نہیں ہونا چاہتے ہیں وہ لوگ دس روز کے اندر ملک سے نکل جائیں۔ ازبیلا چاہتی تھی کہ مسلمان ایک ہی دن میں ملک بدر کر دئے جائیں بیس جولائی ۱۵۰۱ء کو حکم جاری کیا گیا کہ کوئی مسلمان صوبہ غرناطہ میں داخل نہ ہونے پائے تاکہ نو عیسائی ان کی صحبت سے بگڑ نہ جائیں۔ جب مسلمانوں کو غرناطہ جانے سے روکا نہ جا سکا تو سب سے بہتر یہ ترکیب سوچی گئی کہ وہاں مسلمان ہی نہ رہیں سب کو زیر حمایت سلطنت قسطالہ عیسائی بنا دیا جائے۔ چنانچہ حکم جاری کیا گیا کہ آخر اپریل تک کوئی مسلمان باقی نہ رہے۔ یعنی تمام مسلمان مرد جن کی عمر چودہ برس اور عورتیں جن کی عمر ۱۲ سال سے زیادہ ہوں ملک بدر کر دئے جائیں یہ جلاوطنی کہنے کو تھی کیونکہ اس کے لئے ایسی شرطیں لگائی گئیں تھیں کہ جلاوطنی ناممکن تھی جب یہ میعاد گزر گئی تو کسی کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ سب کو اصطباغ لینے پر مجبور کیا گیا۔ مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی بلنسیہ میں تھی۔ محکمہ احتساب کو یہاں سخت کاروائیاں کرنا پڑیں۔ ایک چھوٹے سے قصبہ میں ۸ر اپریل ۱۵۱۹ء کو محکمۂ بلنسیہ نے دو سو تینتیس آدمیوں کو سزائیں دیں۔ ان لوگوں میں بتیس عورتیں ان لوگوں کی تھیں جن کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ بلنسیہ میں مسلمانوں کے ستائیس ہزار خاندانوں کو اصطباغ دیا گیا۔ سرکردگان جرمانیا کو بھی خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا لیا جائے۔ سپہ سالار جرمانیہ نے ان مقامات میں جو اس

کے پاس تھے مسلمانوں کو جبراً اصطباغ دینا شروع کر دیا ایک فرقہ نے ہر طرف لوٹ مار شروع کر دی اور مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانا اپنا شیوہ اختیار کر لیا۔ قلعہ پولوپ کا محاصرہ کیا گیا جہاں آٹھ سو مسلمان پناہ گزین تھے چار روز تک قلعہ پر گولہ باری کی گئی بالآخر قلعہ پر قبضہ ہوا اور ایک ایک کر کے سب مسلمان قتل کر دیئے گئے

البیڈا کے مسلمانوں کو پیغام بھیجا گیا کہ وہ سب تین دن کے اندر عیسائی ہو جائیں یا ملک بدر ہونا منظور کریں ورنہ سب کا قتل عام کر دیا جائے گا حکام محکمہ فوجداری نے مسلمانوں سے صاف کہہ دیا کہ وہ ان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

۲۹ جولائی کو کانسی ٹے نا میں ایک فوج آئی اور اس نے مسلمانوں کے مکانات کو لوٹنا شروع کیا مسلمان روتے اور چیختے ہوئے گرجاؤں کی طرف اصطباغ لینے کے لئے بھاگے فوج والوں نے راستے میں ان کو مارا اور لوٹا۔ بے چارے پٹتے جاتے تھے اور بھاگتے جاتے تھے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "اے مریم مقدس رحم کر قیامت آگئی" مقتول مسلمانوں کی لاشیں سڑکوں پر پڑی رہیں۔ مسلمانوں کے محلہ کو جلا دیا گیا۔

ایک خوشی کے موقع پر انگیرے نامی دس نفر سے مسلمانوں کو قتل کر دیا اور باقی کو یہ چیختے ہوئے کہ مسلمانوں کو مار ڈالو ان کتوں کو عیسائی کر لو۔ گرجا کی طرف لے گئے جوق در جوق ادھر ادھر کے مقامات سے مسلمان اسی غرض سے گرفتار کر کے لائے جاتے تھے ایک گواہ کا بیان ہے کہ اس نے اپنی آنکھ سے ڈیڑھ سو مسلمانوں کی لاشیں انٹونیو کے گرجا گھر کے دروازے تک دیکھی ہیں۔ ڈال ڈگنا میں اعلان کیا گیا یا تو مسلمان عیسائی ہو جائیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں کو صرف دو گھنٹے کی مہلت دی گئی کہ یا تو عیسائی ہو جائیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ بعد میں یہ میعاد آٹھ یا دس روز کے لئے بڑھا دی گئی۔ ۱۳ر مئی ۱۵۲۵ء کو شاہ چارلس کے اس فرمان کا اعلان کیا گیا کہ ان لوگوں کو جو مذہب مسیحی چھوڑ چکے ہیں ان کو تیس دن کی مہلت دی گئی اس عرصہ میں وہ پھر عیسائی ہو کر رہنے لگے تو ان کی جان و مال دونوں محفوظ رہیں گے ورنہ ان کو دونوں سے صبر کرنا پڑے گا۔ چارلس نے ۴ نومبر کو ایک حکم عام جاری کیا کہ تمام مسلمان جلاوطن کر دیئے جائیں۔ بلنسیہ کے تمام مسلمان ۱۳ر دسمبر ۱۵۲۵ء کو ملک اسپین سے نکل جائیں اور ارغون اور قشتالہ کے مسلمان ۳۱ر جنوری ۱۵۲۶ء تک ملک بدر ہو جائیں۔

(باقی آئندہ)

---

[1] مرتد عیسائیوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جو جبریہ عیسائی کئے گئے تھے مگر موقع پاکر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا اور نو عیسائیوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جو جبراً عیسائی بنا لئے گئے تھے اور انھوں نے دوبارہ اسلام کا اعلان بھی نہیں کیا تھا مگر عیسائی حکومت ان سے بھی مطمئن نہ تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی ایڈیٹر کی حیثیت سے

(۲)

مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا ابوالکلام آزاد سید صاحب کے جوہر شناس شروع ہی سے تھے۔ ادھر وہ الندوہ سے سبکدوش ہوئے، ادھر مولانا ابوالکلام نے انھیں کلکتہ اپنے ہفتہ وار الہلال کے لئے کھینچنا شروع کیا۔ الہلال (کلکتہ) میں خاص اس مذاق کے شخص عبداللہ عمادی موجود ہی تھے۔ پھر بھی سید صاحب کی بات ہی کچھ اور تھی۔ سید صاحب جب الہلال میں پہونچے ہیں تو نام کا تو یہ اب بھی ہلال ہی رہا لیکن اہل بصیرت دیکھ رہے تھے کہ ہلال بدر بن گیا ہے اور اس کی نور افشانی کلکتہ کے مطلع سے شروع ہو کر شرق و غرب، شمال و جنوب، سب کو مطلع انوار بنا رہی ہے خود عربی کے قدیم و جدید دونوں طرح کے ماخذوں کی مدد سے سلمانوں کے لئے دینی، تمدنی، سیاسی، تاریخی ہر عنوان سے بہترین معلومات پیش کرنا، یہ کام تو سید صاحب کا تھا ہی باقی خود ہندوستان کی سیاسیات حاضرہ پر مقالہ لکھنے میں سید صاحب اپنے چیف ایڈیٹر سے پیچھے نہ رہے۔ افسوس کہ الہلال کی فائلیں اس وقت ناپید ہیں (ہمارے ہاں کی جلدیں ایک خائن ملازم نے ردی کے لالچ میں بیچ ڈالیں) ورنہ موقع تھا کہ سید صاحب کی الہلالی تحریروں کے بعض اقتباسات جوں کے توں دے دیئے جاتے۔ اس وقت کہنا صرف یہ ہے کہ مولانا شبلی اور مولانا ابوالکلام دونوں اگرچہ اپنے اپنے رنگ میں اردو ادب کے لئے باعث ناز ہیں لیکن بڑا فرق دونوں کے رنگ میں ہے۔ شبلی کے ہاں یہ احتیاط اور رکھ رکھاؤ کہ بلاضرورت دو لفظ بھی قلم سے نہ ٹپکیں اور ہر تکرار کا حشو و زوائد میں شمار، پھر تشبیہ و استعارے اگر ہلکے پھلکے قسم کے کبھی دبے پاؤں آ بھی جائیں تو بس ایسے کہ سلاست کلام میں ذرا بھی مخل نہ ہوں ابوالکلام کے یہاں وہ فیاضی کہ نئی نئی تشبیہیں اور حسین و جمیل استعارے جیسے اُبلے پڑتے ہیں اور الفاظ کی تکرار و مترادفات کا وہ ریلا کہ پڑھنے والا ان میں گم ہو کر رہ جائے۔ سید صاحب کا اسلوب بیان میں اگرچہ انفرادیت شروع ہی سے تھی اور وہ مقلد محض کسی کے بھی نہ تھے پھر بھی مولانا شبلی کا رنگ ان پر اچھا خاصا چھایا ہوا اور شبلیت قدرتاً ان کے قلم کا ایک جزو اس وقت تک بن چکی تھی۔ لیکن اب جب وہ الہلال میں آئے تو گویا دوسرے ابوالکلام بن گئے۔ ان کے رنگ میں اس طرح ڈوب کر اور اس درجہ ان کے ہم رنگ ہو کر لکھنا شروع کیا کہ اچھے اچھے اہل نظر کو بھی امتیاز دشوار ہوگیا اور سماں "من تو شدم تو من شدی" کا بندھ گیا۔ ابوالکلام کے طرز بیان کی تقلید آسان نہیں، بڑے بڑوں نے جب اس روش پر چلنا چاہا تو راہ میں پیر پھسل پھسل گئے ہیں۔ یہ کمال سید صاحب ہی کا تھا کہ شبلیت سے جب چاہا الگ ہو کر ابوالکلامیت اختیار کر لی اور پھر اس رنگ کو بھی جب چھوڑنا چاہا اوراق دہر پر نقش سلیمانی کی مہر لگا کر دکھا دی——

۱۹۱۳ء میں جب کانپور کی ایک مسجد کے غسل خانے کا سرکاری حکم سے گرانے کا ہنگامہ پیش آیا ہے اور پولیس کی گولیوں سے کچھ مسلمانوں کی جانیں گئی ہیں اس وقت الہلال میں ایک بڑے طنطنہ کا مقالہ افتتاحیہ "مشہد اکبر" کے عنوان سے نکلا تھا جس نے نہ معلوم کتنوں کو سسکیوں بھرے غم کے ساتھ رلایا اور کتنوں کو غیظ و غضب کے جوش کے ساتھ اکسایا۔ اسے آج بھی اٹھا کر دیکھئے کہیں سے پتہ بھی نہ چلنے پائے گا کہ مضمون ابوالکلام کے نہیں۔ ان کے ادبی ہم زاد کے قلم کا ہے! سید مرحوم داستان بزم کے تو بادشاہ تھے بقول شخصے ؎ قلم میرا ابر گوہر بار،

لیکن جب رزمیہ لکھنے پر آتے جب بھی ان کی شخصیت زبان حال سے پکار اٹھتی

؎ زبان میری تیغ جوہر دار

(۲)

لیکن سید صاحب کے اصل جوہر ادب کی اس خاص صنف میں اس وقت چمکے جب انھوں نے ماہنامہ معارف کسی کے نائب ہو کر نہیں خود اپنی ذمہ داری پر اور خود مختار ہو کر جاری کیا۔ دارالمصنفین ۱۹۱۵ء میں قائم ہو چکا تھا اور مولانا شبلی کو رحلت کئے ہوئے ڈیڑھ پونے دو سال گذر چکے ہیں کہ معارف کا پہلا نمبر جولائی ۱۹۱۶ء میں نکلا اور اس نے نکلتے ہی دھوم مچا دی۔ پڑھے لکھے لوگ الندوہ سے واقف تھے اور شخصاً سید سلیمان کے قدر دانوں اور معتقدوں کا حلقہ تو کہیں وسیع تر تھا جن لوگوں نے معارف کے پرچے صرف ادھر ۱۰-۱۵ سال کے دیکھے ہیں جب کہ سید صاحب نے اپنے متعدد شاگردوں کو صاحب قلم بنا کر شریک ادارت کرا لیا ہے وہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ۱۹۱۶ء میں جب معارف پہلے پہل نکلا ہے اور اس کے بعد مسلسل کئی سال تک سید صاحب کو تن تنہا کتنا بڑا بار اٹھانا پڑا ہے۔ ہر نمبر کے لئے دو ایک مستقل مقالے لکھنا کئی کئی صفحہ کے شذرات تیار کرنا جن میں علم، مذہب، ادب سب پر گوناگوں تبصرہ ہو اور متعدد کتابوں پر ریویو کرنا، یہ سب سید صاحب کے ذمہ تھا —— یہ ذکر صرف مدیر معارف کی مشغولیت اور مسئولیت کا ہے۔ باقی مستقل تصنیف و تالیف جا بجا لکچر اور تقریروں کانفرنسوں اور انجمنوں میں شرکت اور بحیثیت ناظم ادارہ دارالمصنفین ملک بھر سے وسیع مراسلات، ان سب چیزوں کے لئے جو وقت نکالنا پڑتا تھا اس کا یہاں ذکر نہیں۔

معارف شروع شروع ۶۰ صفحہ کا نکلا۔ تین سال بعد ۸۰ صفحہ کی ضخامت کا ہو گیا۔ سنجیدہ علمی، ادبی دینی مضامین کا اتنا ضخیم ماہوار مجموعہ آج بھی قابل داد ہے اور اس وقت تو قابل داد ہونے کے ساتھ حیرت انگیز بھی تھا۔ معارف کی تقلید میں اور بھی دو ایک رسالے نکلے لیکن اول تو وہ زندہ نہ رہے اور جب تک چلے جب بھی معارف سے کہیں پیچھے رہے —— آئندہ مورخ کا قلم جب ہندوستان کی علمی و دینی صحافت کی تاریخ لکھے گا تو اسے معارف کو چار و ناچار ایک بلند و ممتاز مرتبہ اور ایک سنگ میل کا امتیاز دینا ہوگا اور بتانا ہوگا کہ اس شمع نے ظلمت کے کتنے اندھیرے گھروں میں اجالا پھیلایا اور پھر اس ایک چراغ سے کتنے چراغ اور جلائے گئے۔

صاحب معارف کی شذرات نگاری ایک خصوصی و امتیازی شان نگارش رکھتی تھی۔ بے لاگ لیکن نہ درشت نہ کرخت عمیق۔ لیکن نہ ادق نہ مغلق رنگین لیکن نہ پر تکلف نہ ثقیل، سلیس لیکن نہ سطحی نہ عامیانہ، شگفتہ لیکن نہ نادلانہ نہ خطیبانہ، جاندار لیکن نہ گرما گرم نہ پر خروش، صالح لیکن خشک نہ مولویانہ —— سلیمانی ادبی انشا کا جو اردو کی تاریخ و ادب و انشا میں ایک خاص مقام ہے شبلیت اور ابوالکلامیت دونوں سے الگ ایک خوشگوار رنگ دونوں کو سموئے ہوئے، اس کی اصل بنیاد ہی معارف ہی کے اوراق صفحات سے پڑی اور معارف کے شذرات نے بہتوں کے لئے ایک نئی راہ کھول دی۔ شذرات سلیمانی الندوہ کے بھی قابل قدر ہوتے تھے لیکن اول تو معارف میں الندوہ سے کہیں زیادہ تنوع تھا، کہیں زیادہ وسعت تھی اور پھر سید صاحب کے قلم کی عمر میں بھی گویا پختگی آ چلی تھی اور الندوہ کی نو مشقی کا دور ختم ہو چکا تھا اور معارف مذہبی و ادبی ہر اعتبار سے گویا الندوہ کے نقش اول کا نقش ثانی بھی تھا۔ مسائل و واقعات حاضرہ پر رائے زنی میں شخصی تعریضات سے بچنا آسان نہیں خصوصاً جبکہ اشتعال انگیزی بھی مسلسل ہو رہی ہو صاحب معارف اس امتحان میں بھی پورے اترے اور بجز چند مستثنی موقعوں کے عموماً اپنے قلم کو قابو میں رکھا۔

اردو میں تنقید نگاری اس وقت بڑی ناقص اور ابتدائی حالت میں تھی اور مولانا شبلی، مولوی عبدالحق وغیرہ مستثنیات کو چھوڑ کر عام انداز تنقید نگاروں کا یہ تھا کہ یا تو تقریظ دل پذیر لکھ ڈالی جو گویا مصنف کے حق میں ایک قصیدہ مدحیہ ہوتا تھا اور پھر اگر خفا ہوئے تو مصنف غریب کو ایسا تاڑا کہ بیچارہ کو لینے کے دینے پڑ گئے اور قصیدہ کا رخ بجائے مدحیہ کے تمام تر ہجویہ ہو گیا۔ الندوہ، الناظر وغیرہ کے اثر سے بے اعتدالی کا رنگ ہلکا ضرور ہو گیا تھا اور کچھ نمونے صحیح، معتدل و متوازن تنقید کے نظر آنے لگے تھے۔ پھر بھی کام بہت کچھ باقی تھا —— مستقل شاہراہ اس متوازن تنقید نگاری کی معارف ہی نے قائم کی۔ ہر مہینہ اس میں مطبوعات جدیدہ کا بالالتزام جائزہ صاحب معارف کا قلم لینے لگا۔ اور عدل، اعتدال و توازن کے تقاضوں کے تحت مدح و قدح کی درمیانی راہ کے لئے راستہ صاف کر دیا اور ایک معیار اپنے معاصروں کے ہاتھ میں دے دیا۔

شذرات کی طرح سید صاحب کے مقالات بھی مذہب اور علم و ادب کے ہر اہم و ضروری عنوان پر ہوا کرتے تھے اور پڑھنے والوں کو ہر مہینے نئے پرچہ کا انتظار رہا کرتا۔ شروع میں ادبی و شعری مضمون بھی سید صاحب کے قلم سے اچھے خاصے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ کلام اکبر پر نقد جو کئی نمبروں میں نکلا۔ اس کا ایک نمونہ ہے۔ آگے چل کر ادبیات کا تناسب کم ہو گیا ان کی جگہ دینی و علمی عنوانات نے لے لی اور جتنا حصہ بھی شعر و ادب کے لئے بچا وہ بھی اردو سے زیادہ عربی اور فارسی کے کلام میں آ گیا دینی عنوانات پر متعدد مضمون ایسے نکلے جو بعد کو مستقل رسالہ کی شکل میں یا ان کی کسی تصنیف کا جزو بن کر شائع ہوئے۔ مثلاً سید صاحب کا ایک اہم رسالہ اہل السنۃ والجماعت کے نام سے ہے۔ یہ اول بار معارف ہی میں قسط وار نکلا تھا اسی طرح سیرۃ صحابہ اور تاریخ امت سے متعلق بھی متعدد مضامین نکلتے رہے اور آخر میں عقائد، اخلاق سے متعلق ایسے مقالات نکلے جو بعد کو سیرۃ النبی کے ابواب بن گئے۔ تاریخی و اعتقادی عنوانات سے بھی بڑھ چڑھ کر کلامی عنوانات ہوتے تھے۔ آج متشرقین کا حملہ قرآن مجید کی زبان، جمع و ترتیب، تاریخیت کسی پہلو پر بھی ہوا اور سید صاحب کا قلم اس کے جواب میں چل نکلا۔ جواب مناظرانہ و مولویانہ رنگ کا نہیں، فاضلانہ، محققانہ تشفی بخش کل خود امت کے اندر منکرین حدیث کا فتنہ برپا ہوا اور سید صاحب نے معارف کے صفحات پوری قوت کے ساتھ اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے وقف کر دیئے۔ خود بھی مقالہ پر مقالہ لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوا کر چھاپے برسوں ایک معلوم و معروف ماہنامہ نے الحاد و بے دینی کی تبلیغ و ترویج کو اپنا شعار بنا لیا۔ اس کے جواب میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر جو کر سید صاحب ہی نکلے اور ان کی سعی و کاوش میں ایک نمایاں حصہ بطور حصہ رسدی معارف کے نصیب میں بھی آیا۔ غرض دینی فتنے داخلی یا خارجی جس نوعیت کے بھی ہوں مشکل تھا کہ انھیں اہمیت حاصل ہو اور معارف ان کے رد و جواب میں سرگرمی سے حصہ نہ لے۔

ایڈیٹر کا کام محض مقالہ نگاری نہیں ہوتا۔ دوسرے اہل قلم سے اچھے مضامین لینا، ان کے انتخاب میں ذوق سلیم سے کام لینا اس میں مناسب و ترمیم و اصلاح حذف و اضافہ سے کام لینا، یہ سب بھی اسی کے فرائض میں داخل ہے۔ سید صاحب نے معارف کے ابتدائی دور میں خطیط مذہبی، فقہی عنوانات پر مولانا ابوالکلام سے مضامین حاصل کئے۔ مثلاً غیر مسلموں کا داخلہ مساجد یا طلاق ثلاثہ اور انھیں قسط وار اپنے ہاں شائع کرتے رہے۔ فلسفہ قدیم و جدید اور طبیعات وغیرہ بعض اصناف سائنس پر ان فنوں کے ماہرین سے مضامین برابر حاصل کرتے رہے۔ فاضل اجل مولانا مناظر احسن گیلانی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ندوی، مولانا عبدالباری صاحب ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب حیدرآبادی، خان بہادر ظفر حسین خان مرادآبادی یہ سب صاحبان بطور مقالہ نگار گویا معارف ہی کی پیداوار ہیں —— اور قدیم لکھنے والوں مثلاً مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر یار جنگ، مولانا حمید الدین فراہی کا ذکر ہی نہیں۔ پھر اپنے شاگردوں میں جنھیں گویا انھی نے قلم پکڑنا سکھایا اور جنھیں انھیں کے فیض تربیت سے ادبی قلم کی صف میں بیٹھنا آیا، ان کے نام کوئی کہاں تک گنائے۔ نمونہ کے طور پر صرف چند نام سن لیجئے۔ مولانا عبدالرحمن نگرامی مرحوم، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی موجودہ ایڈیٹر معارف، مولانا سید ریاست علی ندوی سابق نائب ایڈیٹر معارف، مولانا ابوالجلال ندوی، مولوی محمد یوسف کوکنی، مولوی ابوالحسنات مرحوم، مولوی محمد سعید انصاری، مولوی سید صباح الدین عبدالرحمن، مولوی مجیب اللہ ندوی وغیرہ۔

داستان ذرا طویل ہو چلی اور سامعین یقیناً بیتاب ہوں گے کہ کوئی ایک اصل عبارت تو سید والا کے قلم کی سنائی جائے۔ اشتیاق اور مطالبہ بجا ہے بس آخر میں ان کا رنگ تحریر دیکھنے کے لئے صرف دو چار لائنیں ان کے قلم سے سن لیجئے۔ گویا بالکل ظاہر ہے کہ عود و صندل اونٹ کے منھ کو زیرہ اس موقع کے لئے ہے۔

۱۹۱۶ء میں ایک مقالہ مولانا شبلی پر جن کی وفات نومبر ۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ کے سال حلالی میں ہوئی تھی قریب ختم کے فرماتے ہیں:۔

۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۵۷ ہی برس کی عمر پائی ہنگامہ مشرق یعنی غدر میں ظہور کیا اور ہنگامہ مغرب یعنی جنگ یورپ میں مختفی ہوئے۔ بدر الاسلام سیرۃ النبی پر پہلی تصنیف کی اور سیرۃ نبوی ہی پر آخر دم توڑا انتقال سے مصر اور مصر سے یورپ تک تمام عالم نے ماتم کیا۔

دوسرا مقام: آگرہ کے ادبی ماہنامہ نقاد پر ریویو کر رہے ہیں جو دوبارہ ایک صاحب کی شرکت میں نکلا ہے رسالہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنا ایک معیار متعین کر لیا ہے اور اس کے خلاف نہیں چلنا چاہتا اور وہ اردو زبان میں ادبیات لطیفہ (لائٹ لٹریچر) کی ترقی و اشاعت ہے۔ نقاد کو اپنے مقصد میں ناکامی کی طعن پہلے بھی کوئی نہیں دے سکتا تھا اور اب تو اور بھی نہیں کہ اس کی دوبارہ پیدائش حسین لطیف کی ایک بانوئے محترم کی ممنون ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ اس قسم کی ادبیات سے ہم کو کوئی علمی و دماغی فائدہ نہیں پہونچتا کہ اس باغ ہستی کی ہر چیز کھانے کے لئے نہیں ہے بلکہ کچھ دیکھنے اور سونگھنے کے لئے بھی ہے۔"

تیسرا مقام:۔ مسلمانوں کی حالت بحیثیت ملت و امت کے لکھ رہے ہیں۔

"وہ سیلاب کی مانند پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں لیکن کوہ کن کی طرح ایک ایک پتھر جدا کر کے راستہ نہیں صاف کر سکتے، وہ بجلی کی شکل ایک آن میں خرمن کو جلا کر خاک سیاہ کر سکتے ہیں لیکن چیونٹی کی طرح

(بقیہ ص ۱۳ پر)

بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

سید محمد ثانی حسنی

لیجئے منشور احسان و کرم آ ہی گیا
اے دل بے صبر لے اذنِ حرم آ ہی گیا

ادھر جہاز بھرا ادھر جہاز کا زینہ اٹھا لیا گیا۔ جہاز کے عرشہ پر ہزاروں حجاج اپنے پہونچانے والوں، عزیزوں، دوستوں کو وداعی سلام کر رہے ہیں جانے والوں پر ایک ایسا کیف و سرور ہے جو ان کو بے خود بنائے ہوئے ہے پہونچانے والے دوستوں اور عزیزوں کے دلوں پر حسرت و افسوس کا بادل چھایا ہوا ہے، وہ اپنی محرومی اور جانے والوں کی خوش نصیبی پر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے سلام کے لئے زبان کھولی تو دل بھر آئے نظر بھر کے دیکھنا چاہا تو آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ہر ایک بے تاب و بے قرار گلوگیر آواز سے درخواست کرتا ہوا نظر آ رہا ہے ؎

ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے

ذرا ادھر نظر کیجئے کتنا رقت آمیز ہے وہ منظر، ایک ادھیڑ عمر کا آدمی دبلا پتلا مگر سیماب کی طرح تڑپ رہا ہے۔ مجمع بڑھتا جا رہا ہے پولیس اس کو رسی سے جکڑے جہاز سے دور کر رہی ہے مگر وہ انتہائے بے تاب اور بے قرار ہے کہ اس کو کوئی سدھ بدھ نہیں، ہوش وحواس غائب وہ کسی کی نہیں سنتا نہ کسی کی بات پر کان دھرتا ہے بس ایک دھن ہے اور ایک لگن مجھ کو جانے دو یا مجھ کو سمندر میں کودنے دو۔

لوگ کہتے ہیں ہوش کے ناخن لو عقل کی بات کرو، کیوں جان دیتے ہو لوگ ہنستے ہیں اور اس کی حماقت پر آوازے کستے ہیں لیکن وہ اپنے ہوش میں نہیں اس کی آواز گلوگیر ہے وہ کتنے درد و کرب سے پہلو بدلتا ہے اور زبان حال سے کہہ اٹھتا ہے ؎

جب بیت کبھی تبلاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

جہاز نے سیٹی دی۔ ساحل کے لوگ چھٹنے لگے اور دیکھتے دیکھتے پولیس اس کو ساحل سے ہٹا لے گئی اس منظر سے ہر ایک کا دل بھر آیا اور رنج و غم کی فضا قائم ہو گئی۔

جہاز ساحل سے دور ہونا شروع ہوا ساحل پر کھڑے لوگوں کے ہاتھ ہلتے اور رومال ہوا میں لہراتے نظر آ رہے ہیں اور تھوڑی دیر کے وقفہ سے اللہ اکبر کی آواز ابھرتی اور فضا میں گونجتی ہوئی سنائی دے رہی ہے۔ اب ہر طرف پانی ہی پانی ہے آبادی نظروں سے دور اوپر آسمان نیچے سمندر اور سمندر پر کئی ہزار ٹن کا بھاری جہاز ایک تنکہ کی طرح بہا چلا جا رہا ہے۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
سر انگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

دریائی سفر کو کئی دن گذر چکے ہیں جو لوگ لہروں کے اُتار چڑھاؤ اور جہاز کے ڈگمگانے سے بیمار ہو گئے تھے ان کی حالتیں معمول پر آ گئی ہیں۔ ہلکی ہلکی دھوپ پھیلی ہے۔ لوگ دھوپ لینے عرشہ پر لیٹے بیٹھے ہیں کہ سامنے کچھ چھوٹی چھوٹی چڑیاں اڑتی نظر آنے لگیں دل خوشی و مسرت سے جھوم اٹھے کہ خشکی قریب ہے مگر دیکھتے دیکھتے وہ ساری کی ساری لہروں میں غائب ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ یہ چڑیاں نہیں اڑنے والی مچھلیاں ہیں جو پانی سے نکل کر دو چار گز اڑتی ہیں پھر پانی میں غائب ہو جاتی ہیں۔

کچھ اور آگے بڑھے تو بلندی پر سچ مچ کی بڑی بڑی چڑیاں اڑتی نظر آئیں کہنے والے نے کہا کہ خشکی قریب ہے۔ یہ چڑیاں ساحل سے اڑ اڑ کر آتی ہیں پھر واپس چلی جاتی ہیں ان کا اڑنا خشکی کے قریب ہونے کی علامت ہے۔

مبارک ہو کہ عرب کی زمین نظر آئی اب ہم بحر احمر میں ہیں۔ داہنی جانب عرب کی زمین ہے بائیں جانب صحرائے افریقہ، خشکی کیا نظر آئی مرجھائے ہوئے دلوں میں تازگی آئی اور کمھلائے ہوئے چہرے کھل اٹھے۔

جہاز کا چھوٹی چھوٹی کشتیاں جہاز سے آکر لگ گئیں ملاح کشتیوں سے کود کر تیرنے لگے۔ حجاج پیسے پھینکتے جاتے تھے اور ملاح جن میں بوڑھے بھی ہیں بچے بھی غوطہ لگا لگا کر پیسے منہ میں دبائے پانی سے نکلتے ہیں اور پھینکنے والے حاجیوں کو اپنا کمال دکھا کر مسرور کرتے ہیں۔ حجاج جنگلے سے لگے چھوٹی چھوٹی ڈلیاں رسی سے باندھ کر کشتیوں پر پھینکتے ہیں اور ملاحوں سے سیپیاں گھونگھے، تربوز اور کھانے کی چیزیں خریدتے جاتے ہیں سامنے ساحل پر مکانات، مینارے اور بالشت بھر جیسے چلتے پھرتے آدمی نظر آ رہے ہیں جن کے پاس دوربینیں ہیں وہ جہاز پر کھڑے خشکی کی سیر کر رہے ہیں۔

لیجئے جہاز پھر چلا اب یلملم کی آمد آمد ہے۔ لوگ احرام باندھنے کی تیاری میں لگے ہیں ادھر بگل بجا لوگوں نے غسل کیا۔ دو سفید چادریں بدن پر ڈالیں دو رکعت نماز ادا کی۔ احرام کی نیت کی اور لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک لاشریک لک سے پورا جہاز گونج اٹھا لوگوں کے دل بدل گئے۔ اب پورا جہاز ایک مسجد اور ایک خانقاہ معلوم ہونے لگا اب کسی کو کسی سے کام نہیں نام ہے تو خدا کا کام ہے تو خدا کی بندگی کا زبانوں پر ذکر جاری آنکھوں سے آنسو رواں اور دلوں میں محبت و خوف کے ملے جلے جذبات۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

جدہ جتنا قریب آتا جاتا ہے۔ اتنے ہی دلوں کی کیفیتیں بدلتی جاتی ہیں۔ اک کشش ہے جو مقناطیس کی طرح دلوں کو کھینچ رہی ہے۔ رات کو نیند نہیں آئی۔ دن کا سکون اڑ گیا۔

دن گذرا رات بسر ہوئی صبح ہونے کو آئی کہ کسی نے خبر دی کہ جدہ آنے والا ہے کیف و سرور کے دن آئے جہاز کے عرشہ پر سیکڑوں آدمی کس جذب و شوق سے جدہ کے ساحل کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

اللہ اللہ اثر انگیزیٔ جذب غم کیف
ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالم کیف

وہ دیکھئے جدہ نظر آنے لگا۔ ساحل کی عمارتیں ایک کھڑکی طرح معلوم ہونے لگیں اور دیکھتے دیکھتے ساحل پر جہاز آ لگا۔ ہر ایک جوش و مستی میں ڈوب گیا۔ سامان کمروں سے باہر نکلا اور نیچے ایک ہلچل مچ گئی لوگ بیتاب اور بیقرار نگاہوں سے پیارے ملک کے پہلے شہر کو دیکھنے لگے اور اپنی قسمت پر رشک کرنے

(بقیہ ص ۱۱ پر)

مسجد نبوی کی اذان

از حکیم محمد کامل بحر العلومی۔ فرنگی محل لکھنؤ

زینت آفاق اب انجم سحر ہونے کو ہے — صبح نورانی جہاں میں جلوہ گر ہونے کو ہے
سب کواکب جھلملائے ہو سکوتِ شب اخیر — اب افق تابی سے پھیکا پڑ گیا ماہِ منیر
بانگ دی مرغِ سحر نے چہچہا اٹھے طیور — رفتہ رفتہ موجزن ہونے لگا دریائے نور
ہو گئی یثرب کی گلیوں میں صبا محو خرام — ھبّت اذ جاءت النسیم سحان وقتٌ للقیام
تھی نسیم صبح گلیوں میں مدینے کی رواں — نور کی بارش زمیں پر کر رہا تھا آسماں
اسطرح اٹکھیلیاں مسجد میں کرتی تھی نسیم — مثلما الانھار تجری بین جنات النعیم
مسجد ختم الرسل میں اب لگی ہوتے اذاں — کیف افزا روح پرور، نغمۂ باغ جناں
نغمۂ قدسی اذاں کا مائل پرواز ہے — جسکو سننے کو فرشتہ گوش بر آواز ہے
ہاں مدینہ جاگ اٹھا سنکر مؤذن کی صدا — قلب مؤمن میں اذاں نے نور عرفاں بھر دیا
حینما نادی المؤذن وقت فجر للصلاۃ — کھل گئے غنچے دلوں کے مسکرائی کائنات
تھی اذانیں صبحگاہی، راکب دوش صبا — جس نے یثرب بھر میں یہ پیغام حق پہونچا دیا
تھا مدینہ مست و بیخود، نغمۂ توحید سے — جرعہ کش ہر قلب تھا جام مئے توحید سے

ہو رہا تھا بام و در پر منعکس نور صباح
کان یسعی المسلمون للصلاۃ والفلاح

تہذیب مغرب کا غرور

(بلاد عربیہ کی سیاحت کے دوران)

از حبیب پالنپوری

آب و باد و خاک و آتش ہیں غلام بے درم
میرے آگے قوتِ فطرت سر تسلیم خم

ناز تھا خالق کو جن جن پردہ ہائے راز پر
چاک کر کے رکھ دیئے میں نے وہ اسرار قدم

میرے فرماں پر فدا ہیں یہ ہوا یہ بحر و بر
چھین لایا دست قدرت سے قوائے زیر و بم

لرزہ بر اندام ہے افلاک کا عریاں بدن
چومنے کو آ رہا ہے چاند بھی میرے قدم

علم و سائنس وخرد ہیں میرے اعجاز ہنر
میرا معمل ہے الٰہی قوتوں کا اک حرم

میرے شوق جستجو کے سامنے ہیں سرنگوں
یہ زمیں وہ آسماں یہ علم وہ لوح و قلم

مستقبل کا خواب

ہاں مگر ناقص ہیں اب تک دعوہائے معجزات
موت کے پنجے میں لرزاں ہے ابھی روح حیات

موت کی تسخیر سے عاجز ہے جب تک زور علم
تیرا ہر معمل بھی ہے میری نظر میں سومنات

میں نے یہ مانا کہ تیرا علم ہے دانائے راز
روح کے اسرار سے واقف نہیں کیوں تیری ذات

آدمی مانند گل ہے کیوں اسیر آفتاب
اپنی گردش کیوں بدلتے ہی نہیں دن اور رات

خطبات نبوی
سلسل

ایک پر اثر خطبہ

مال غنیمت کی تقسیم پر کچھ لوگوں کا اعتراض اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

از حبیب الرحمن ندوی

آج کی فرصت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مہتم بالشان خطبہ پیش کیا جا رہا ہے جو غزوہ حنین کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر انصار کے سامنے آپ نے ارشاد فرمایا، افسوس زبان و ادب کی چاشنی کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں تاہم اکثر تفصیلات پیش نظر ہوں تو فصاحت و بلاغت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خطیبانہ صلاحیتوں کا سطور ذیل سے اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ حنین میں تنہا رہ گئے تھے اور اس نازک ترین موقع پر آپ نے انصار کو پکارا تھا، یا معشر الانصار۔ انصار جو آپ کے ایک اشارے پر جان دینے کے لئے تیار تھے فوراً جواب دیتے ہیں۔ لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ صرف انصار ہی نہیں آپ کی اس آواز پر اور لوگ بھی چونک پڑتے ہیں اور پیچھے بھاگنے کے بجائے دوبارہ نئے عزم و حوصلہ کیساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں یہاں تک کہ جنگ کا نقشہ بدل جاتا ہے اور دشمن میدان کارزار سے بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں

فتح و کامرانی کے ساتھ اس جنگ میں کثرت سے مال غنیمت بھی ہاتھ آتا ہے۔ چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تمام مال جعرانہ[1] میں رکھا گیا اور وہیں اس کی تقسیم عمل میں آئی تقسیم سے قبل آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

یا ایہا الناس ان ہذا من غنائمکم ادوا الخیط والمخیط فما فوق ذالک	لوگو یہ مال غنیمت ہے جس کے پاس جو کچھ ہو وہ دے دے یہاں تک کہ سوئی اور دھاگہ بھی
فما دون ذالک فان الغلول عار علی اہلہ یوم القیامۃ وشنار ونار (ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۱۰)	اس سے بڑی اور چھوٹی چیز بھی اس لئے کہ غنیمت میں خیانت بڑا عیب ہے قیامت کے دن وہ بڑی مصیبت کا باعث ہوگا۔
ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں:۔ یا ایہا الناس انہ لیس لی من ہذا الفئ شئ ولا ہذا الا الخمس والخمس مردود علیکم فادوا الخیاط والمخیط (فتح ج ۲ ص ۱۱)	لوگو غنیمت میں میرا کوئی حصہ نہیں خمس (بیت المال کا حصہ) بھی تمہیں لوگوں کیلئے ہے سوئی اور دھاگے بھی غنیمت کے مال میں سے اپنے پاس نہ رکھنا۔

حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس، پانچواں حصہ بیت المال کے لئے رکھ کر باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم فرما دیا لیکن خاص طور پر جن لوگوں کو آپ نے بڑے بڑے انعامات دیئے وہ رؤسائے مکہ اور قریب العہد مسلمان تھے۔ جنگ کے اصل ہیرو اگرچہ انصار تھے لیکن تالیف قلب کے لئے نو مسلم مذبذب الاعتقاد لوگوں کو آپ نے بڑی بڑی رقمیں عنایت فرمائیں جس پر بعض[2] انصاری نوجوانوں کو ملال ہوا کہ مشکل اوقات میں تو ہمیں یاد کیا جاتا ہے لیکن انعامات و عطایا کے لئے دوسرے لوگ ہیں۔ کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے مل گئے۔ کسی نے کہا خدا رحم فرمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا مگر ہم کو محروم رکھا حالانکہ ابتک ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا۔ خدا حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے انکو تو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کو حکم دیتے ہیں کہ انصار کو الگ ایک خیمہ میں جمع کریں چنانچہ سب لوگ آجاتے ہیں تو آپ پوچھتے ہیں کیا یہ باتیں سچ ہیں؟

انصار چونکہ جھوٹ نہیں بولتے تھے انھوں نے عرض کیا ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے تو نہیں البتہ بعض نوخیز نوجوانوں نے یہ باتیں ضرور کہی ہیں۔ خطبہ کی تیاری ہے نہ لکچر کا اہتمام۔ مگر آپ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس موقع پر ذیل کا یہ پر اثر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یا معشر الانصار۔ الم اجدکم ضلالا فہداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی (صحیح بخاری ج ۳۔ ص ۶۹)	برادران انصار کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت دی تم متفرق تھے خدا نے میرے ذریعہ تم کو مجتمع کیا، تم محتاج تھے خدا نے میرے ذریعے تم کو غنی کر دیا۔

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے اللہ اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا

اما واللہ لوشئتم لقلتم فلصدقتم ولصدقتم آتیتنا مکذبا فصدقناک ومخذولا فنصرناک وطریدا فآویناک وعائلا فآسیناک اوجدتم علی یا معشر الانصار فی انفسکم فی لعاعۃ من الدنیا۔ تألفت بہا قوما لیسلموا ووکلتکم الی اسلامکم (زاد المعاد و قسطلانی)	یہ کیوں نہیں کہتے کہ محمد تم اس حال میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے مگر ہم نے تمہاری تصدیق کی تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمہاری مدد کی۔۔۔ تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے ہم نے تمہاری غمخواری کی، برادران انصار کیا تمہارے دلوں میں اس لئے ملال پیدا ہوا کہ میں نے تمہیں دنیا کا خسیس مال نہیں دیا حالانکہ تالیف قلب کیلئے میں نے اسے مذبذب الاعتقاد لوگوں کو دیا ہے تم کو صرف اس لئے نہیں دیا کہ میں جانتا ہوں تمہارے دلوں میں اسلام رچ گیا ہے

سلسلہ کلام جاری ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

فانی اعطی رجالا حدیثی عہد بکفر اتألفہم۔	میں نو مسلموں کو تالیف قلب کے لئے دیتا ہوں کیا تم کو

اما ترضون ان یذہب الناس بالشاۃ والبعیر وتذہبون بالنبی الی رحالکم فواللہ لما تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون ستجدون اثرۃ شدیدۃ فاصبروا حتی تلقوا اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فانی علی الحوض (بخاری ومسلم)	پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لیکر جاؤ خدا کی قسم تم لوگ جو لیکر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہوگا جسکو تمام لوگ لیکر جاتے ہیں دیکھو عنقریب تم سخت قسم کی خود غرضی دیکھو گے اگر تم صبر کرنا یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے مل جاؤ میں حوض کوثر پر ملوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی انصار کے سامنے تھی۔ آپ نے ان کو جو والہانہ عقیدت تھی اس کا اظہار اس سے بہتر طریقہ پر ممکن نہیں۔ کتنا موثر جملہ ہے کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں مگر تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ ـــ کون ہے جو یہ الفاظ سن کر اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے چنانچہ انصار بے اختیار چیخ اٹھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں رضینا، ہم سب راضی ہیں۔ اکثر لوگوں کا تو یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔ آپ نے بتایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے ان کو جو کچھ دیا ہے حق کی بنا پر نہیں صرف تالیف قلب کی لئے دیا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا، اگر تم کو مال کی ضرورت ہے تو میں بحرین ہمیشہ کے لئے تم لوگوں کے نام لکھے دیتا ہوں۔ واضح رہے کہ بحرین کی حیثیت اس وقت تمام مفتوحہ ممالک میں سب سے زیادہ بہتر تھی چنانچہ ایک بار جب بحرین کا خراج مسجد نبوی میں رکھا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اتنی کثیر رقم دارالاسلام میں اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ مگر انصار معذرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں دنیا نہیں چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لو سلک الناس وادیا وسلکت الانصار شعبا لاخذت شعب الانصار (بخاری ومسلم)	لوگ اگر راہ صحرا اختیار کریں اور انصار پہاڑ کی گھاٹی پر چلیں تو میں انصار کیساتھ پہاڑ کی گھاٹی اختیار کروں گا

بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

اللّٰہم ارحم الانصار وابناء الانصار وابناء ابناء الانصار (فتح الباری)	اے اللہ انصار پر رحم فرما انصار کی اولاد پر بھی اور ان کی اولاد کی اولاد پر بھی

خطبہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اپنے مقصد میں جس قدر کامیاب ہے دنیا کے خطابت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انگوٹھی کے نگینوں جیسے الفاظ، ٹکسالی زبان، حقیقت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا ایک دریا ہے جو اپنے خاموش فطری بہاؤ کے ساتھ بہتا چلا جا رہا ہے۔

بعض روایتوں میں مال غنیمت کی تقسیم پر انصار کی شکایت کا واقعہ فتح مکہ کا بتایا گیا ہے لیکن اس سے فتح مکہ کا دن بتانا مقصود نہیں۔ سال فتح مکہ یا اس کے قریب کا زمانہ بتانا مقصود ہے کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر نہ تو مال غنیمت ہاتھ آیا اور نہ اس کی تقسیم ہوئی۔ اسی طرح بعض روایتوں میں خطبے کے کچھ اور الفاظ بھی منقول ہیں جنکا مفہوم تقریباً وہی ہے جو اوپر کے الفاظ میں آچکا ہے اس لئے بخوف طوالت یہاں اس کا ذکر نہیں کیا گیا

جعرانہ میں جو مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولفۃ القلوب کو مرحمت فرمایا اس پر بھی نقاد محدثین نے طول طویل بحثیں کی ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عطا و بخشش کل مال غنیمت سے تھی کچھ لوگ اس کے برخلاف یہ لکھتے ہیں کہ یہ تقسیم صرف خمس سے تھی کیونکہ مال غنیمت جنگ میں شریک سبھی لوگوں کا حصہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر سب کے حصہ میں کوئی تصرف کرتے تو لوگوں سے اس کی اجازت بھی ضرور لیتے۔ بہرحال حقیقت جو کچھ بھی ہو۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مصالح عامہ کے پیش نظر زکوٰۃ کے علاوہ بھی داد و دہش کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے یہی سبق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ہم کو ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے خطبے کے وہ الفاظ جو اوپر نقل کئے گئے۔ ایک عقیدت مند کی نظر میں ہی نہیں عام لوگوں کے لئے بھی کافی اہم ہیں کیونکہ ان سے نہ صرف آپ کی قادر الکلامی اور بے مثال خطیبانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ طبیعت کے رجحان اور اپنے متبعین کے لئے ترک دنیا کی ایک ایسی تعلیم کا بھی اشارہ ملتا ہے جس کی نظیر اور کسی جگہ نہیں ملتی۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ؎

بقیہ عربی مدارس کا طریقہ تعلیم اور نصاب

آج مذہب و ملت کی خدمت کے لئے طبقہ علماء کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اپنی معاشی و اقتصادی حالت کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی اس کام میں لگا ہوا ہے سماجی خدمت کے میدان میں بھی آپ کو سب سے زیادہ یہی لوگ ملیں گے جو انھیں مدارس کے زیر تربیت رہ چکے ہیں۔ آخر میں اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں کوئی باک نہیں ہے کہ تدریجاً عربی طلبہ میں علمی انحطاط پیدا ہوتا جا رہا ہے پھر بھی ہونہار اور ذکی و فہیم طلبہ اس سے کسی قدر مستثنیٰ ہیں۔ عربی مدارس کی کمزوری پر ان کی صلاحیتوں نے پردہ ڈال رکھا ہے مگر طلبہ کی بیشتر تعداد ایسی ہی ہے جن کی علمی تعداد کو دیکھ کر دل خواہ مخواہ طریقہ تعلیم کی تبدیلی پر غور و فکر کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ کئی سال تک مسلسل صرف و نحو پڑھ لینے کے بعد ان کی عربی عبارت تک درست نہیں ہوتی۔ ان طلبہ کو خود اپنے اوپر اعتماد نہیں ہوتا ہے کہ میں جو عبارت پڑھ رہا ہوں وہ صرف و نحو کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر امر کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے فرضی سوال و جواب کی تو صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے لیکن ان سے گرامر نہیں آسکتی اور بالکل ابتدائی کتابوں سے جو علم انھیں حاصل ہوتا ہے اس سے ہٹ کر اجرا نہیں کرایا جاتا۔

عربی ادب جو ان کی تعلیم کا اہم اور بنیادی حصہ ہے اس میں بھی ان کی کمزوری اتنی واضح اور نمایاں ہے کہ اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی، اردو میں اپنا مافی الضمیر ادا کر سکیں یا دس منٹ روانی کے ساتھ عربی میں تقریر کر سکیں، اتنا بھی نہیں ہو پاتا جبکہ ابتدا عربی سے لیکر عربی کی انتہائی کتابوں سے درجنوں عربی ادب کی نظم و نثر کی اہم کتابیں انھیں پڑھائی جاتی ہیں، اس کے باوجود ان کی مشق و تمرین صفر رہ جاتی ہے۔ یہ نہایت عبرتناک حقیقت ہے۔ یہ سب طریقہ تعلیم کی کمزوری کا نتیجہ ہے اگر ابتدا ہی سے طلبہ کو تحریر کے ذریعے ادب کی تعلیم دی جاوے تو بہت بڑی تبدیلی کی امید کی جا سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ کتنی ہی دلسوزی کے ساتھ کوئی رائے دی جائے ارباب مدارس اسپر کان تک نہیں دھرتے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج عربی مدارس کے تعلیمی معیار میں روز بروز زوال پیدا ہوتا جا رہا ہے۔

بقیہ بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

گئے، عربی سپاہی جہاز پر چڑھے، حجاج اور ان کا سامان ساحل پر اترا کسٹم والوں نے سامانوں کی جانچ پڑتال کی اور چند گھنٹوں میں ساحل سے جدہ کے بازار میں آگئے۔

---

[1] جعرانہ طائف اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

[2] بعض محدثین کی تحقیق ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم پر ایک منافق نے اعتراض کیا تھا۔ مضمون میں راجح ترین قول مذکور ہے

تاریخ کے دریچے سے

اسلام میں سنہ ہجری کی ابتدا

سعید الرحمٰن الاعظمی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، اور مسلسل بڑے بڑے تاریخی واقعات پیش آئے اور حکومتی کام بھی بہت زیادہ پھیل گیا جس میں لامحالہ تاریخ اور ان کے حوالہ کی ضرورت پیش آئی تو ایک باقاعدہ سنہ تاریخ کا مطالبہ ہر طرف سے شروع ہوا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا احساس اس وقت اور شدت سے ہوا جبکہ یمن کے ایک عامل نے ان سے کہا کہ کیا بات ہے۔ آپ اپنے فرامین و خطوط میں تاریخ اور سنہ کا حوالہ نہیں دیتے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ کر بھیجا کہ کیا بات ہے ہمارے پاس جو خطوط آتے ہیں ان پر تاریخ وغیرہ نہیں لکھی ہوتی ہے؟" حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چک آیا جس پر صرف شعبان لکھا ہوا تھا تو انھوں نے دریافت کیا کہ اس شعبان سے کون سا شعبان مراد ہے۔ موجودہ شعبان یا گذشتہ شعبان یا آنے والا شعبان؟

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ تاریخ لکھا کیجئے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تاریخ کا کیا مطلب؟ اس شخص نے بتایا کہ جس طرح اہل عجم اپنے خطوط و فرامین پر یہ لکھتے ہیں کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں یہ لکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ اچھی چیز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب بیت المال بہت مالدار ہو گیا اور خزانہ حکومت میں کافی پیسے آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مال اب بہت کافی جمع ہو چکا ہے اور اب تک ہم نے جو کچھ اس میں سے تقسیم کیا ہے وہ بغیر وقت اور تاریخ کی قید کے کیا ہے۔ اس لئے کوئی ایسی صورت ہونی چاہئے جس سے یہ بات مقرر ہو جائے کہ کس کو کس وقت اور کس تاریخ میں دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ چاہا۔ تو کسی نے کہا کہ رومیوں کی تاریخ اور سنہ کو ہم اختیار کرلیں اور اس کے مطابق لکھا کریں۔ اس کے جواب میں بعض لوگوں نے کہا کہ رومی ذوالقرنین کے زمانے سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں اس لئے یہ بڑی لمبی تاریخ ہو جائے گی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ ایرانیوں کی تاریخ کو اختیار کر لیا جائے۔ مگر یہ مشورہ بھی قابل قبول نہ ہو سکا۔ اس کے بعد بالاتفاق یہ رائے ہوئی کہ اسلامی واقعات سے سنہ تاریخ مقرر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مختلف مشورے سامنے آئے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو سنہ تاریخ مقرر کرنے کا مشورہ دیا اور کسی نے بعثت کے سال کو، کسی نے وفات کے سال کو، اور بالآخر ہجرت کا سال اتفاق آراء سے اسلامی تاریخ کا سنہ مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ کس مہینہ کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیا جائے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ رمضان کو سال کا پہلا مہینہ مقرر کیا جائے اس لئے کہ اسی مہینہ میں قرآن کا نزول ہوا، یہ مہینہ ہر اعتبار سے بابرکت ہے، اور آخر میں طے یہ پایا کہ اسلامی تاریخ کے سنہ کا پہلا مہینہ محرم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ لوگ اسی مہینہ میں حج سے واپس آتے ہیں اور اپنے کاروبار کی ابتدا کرتے ہیں

یوں بھی یہ مہینہ اہل عرب کے نزدیک بہت محترم اور متبرک مہینہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے احترام میں اس کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا دستور تھا۔ اور شہر حرام ہونے کی وجہ سے اس میں جنگ و جدال بھی ممنوع تھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سال کو، اسلامی سنہ تاریخ کب مقرر فرمایا؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ ۱۷ھ میں یہ بات طے ہوئی۔

ہجرت کا واقعہ محض ایک سفری قصہ نہیں تھا بلکہ انسانی تاریخ کا یہ وہ اہم ترین واقعہ ہے جس نے تاریخ کے موڑ کو بدلا تھا۔ اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو جس نے زندگی بخشی تھی یہ ایک پرانے عالم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے اور نئے عالم کے صفحۂ وجود پر آنے کا وہ تاریخی سفر تھا جو اپنی معنویت، قوت اور استحکام کے لحاظ سے اس عالم کا ناقابل فراموش اور زندۂ جاوید واقعہ ہے۔

انسانی تاریخ نے اس عظیم الشان سفر میں عقیدہ و ایمان، صبر و ثبات، شجاعت و حوصلہ مندی کا وہ قیمتی راز دریافت کیا جو اب تک دنیا کے لئے ایک عقدۂ لاینحل بنا ہوا تھا۔ اہل باطل کے سر غرور سے جھک گئے اور اہل حق کو فتح مبین حاصل ہوئی، اسلام نے ہمیشہ کے لئے تاریخ پر اپنا نقش لازوال ثبت کیا اور شیطان ہمیشہ کے لئے شکست کھا کر میدان سے ہٹ گیا۔

یہی وہ صفات تھیں جن کی وجہ سے ہجرت کو اسلامی تاریخ میں یہ مقام حاصل ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اسلام کا تاریخی سنہ قرار دیا۔

تعمیر حیات

ملکیت کے بارے میں بیان

اخباروں کے رجسٹریشن (مرکزی) قواعد ۱۹۵۶ء کے قاعدہ نمبر ۸ کے ماتحت حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ بیان متعلق ملکیت و دیگر تفصیلات۔

۱۔ مقام اشاعت	لکھنؤ
۲۔ وقفہ اشاعت	پندرہ روزہ
۳۔ پرنٹر کا نام	محمد الحسنی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	۳۷۔ گوئن روڈ لکھنؤ
۴۔ پبلشر کا نام	محمد الحسنی
قومیت	ہندوستان
پتہ	۳۷۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ
۵۔ ایڈیٹر کا نام	محمد الحسنی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	۳۷۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ
۶۔ مالک	شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں (محمد الحسنی) اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے صحیح ہیں

۸۔ مارچ ۷۴ء — محمد الحسنی

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

مدیونس نگرامی ندوی

(۱)

ساتویں صدی ہجری کا مشہور امراض قلب کا ماہر گناہوں کے اثرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"انسانی گناہوں سے حیا ختم ہو جاتی ہے جو انسانی دلوں کی زندگی کا سہارا ہے۔ گویا حیا کا خاتمہ دلوں کی موت کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ حیا کا ماخذ حیاۃ ہے۔ جس طرح سے غیث (بارش) کا دوسرا نام (حیا) قصر کے ساتھ" ہے اس لئے کہ زمین و نباتات اور جانوروں کی زندگی کا دار ومدار اسی غیث یا حیا پر ہے۔ پس جس میں حیا نہیں ہے وہ اس دنیاوی زندگی میں مردہ سے بدتر ہے اور آخروی زندگی میں بدبخت"

"الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی لابن القیم ص ۵۰"

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

"گناہوں سے قلب کی بینائی کھو جاتی ہے اور اس کا نور ماند پڑنے لگتا ہے علم کے راستے مسدود ہونے لگتے ہیں اور ہدایت کے راستوں پر تاریکیاں پڑھنے لگتی ہیں۔

اسی لئے امام مالکؒ نے امام شافعیؒ سے فرمایا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے دل پر خدا کا خاص نور موجود ہے لیکن اس کو اپنے گناہوں سے بجھا نہ دینا

"الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی لابن القیمؒ ص ۶۵"

(۲)

محمد بن منصور فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ امام بخاریؒ کی مجلس میں شریک تھے اتنے میں ایک شخص نے اپنی داڑھی سے کوئی گندگی نکال کر پھینک دی میں نے امام بخاریؒ کو دیکھا کہ وہ اس شخص کو اور لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ جب شرکاء مجلس اس کی طرف سے غیر متوجہ ہو گئے تو امام بخاری نے اس گندگی کو اٹھا لیا میں نے ان کو دیکھا جب وہ مسجد سے باہر نکل رہے تھے تو اس کو ایک کونے میں ڈال دیا۔

بکر بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری یہ تمنا ہے کہ جب میں خداوند تعالےٰ سے ملوں تو مجھ سے وہ اس بات کا بھی حساب نہ کرے کہ میں نے اس دنیا میں کسی سے رشک کیا ہو۔

"صفة الصفوة لابن الجوزی ج ۴ ص ۱۴۳"

الترمذیؒ فرمایا کرتے تھے۔ مومن کی خوشی اس کے چہرہ پر ہوتی ہے اور اس کے غم دل میں ہوتے ہیں۔ لیکن منافق کے غم اس کے چہرہ پر ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی خوشیاں اس کے دل میں مقید ہوتی ہیں

"صفة الصفوة لابن الجوزی ج ۴ ص ۱۴۱"

(۳)

خلافت راشدہ کے بعد اسلامی حکومت اور خلفاء کا معیار وہ تو برقرار نہ رہ سکا جیسا چاہئے تھا لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ بعض خلفاء ایسے بھی گزرے ہیں جن کے دل یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے غیر اسلامی افعال پر شرمندہ رہتے تھے۔ ان کو ہر آن یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کہیں خدا کا وقت موعود آ نہ جائے انھیں خلفاء میں مہدی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا دل خشیت الٰہی سے لبریز تھا۔ اموی خاتون نزع کی حالت دیکھ کر اس کی گریہ وزاری اور عاجزانہ دعاؤں کا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے۔

حسن الوصیف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ زبردست آندھی آئی۔ میں خلیفہ کی تلاش میں نکلا تو میں نے دیکھا وہ اپنے رخساروں کو زمین پر رکھے ہوئے رو رو کر دعا مانگ رہا تھا۔ بار الٰہا امت محمدیہ کی حفاظت کر اور اسے دشمنوں کو ہماری تباہ حالی پر ہنسنے کا موقع نہ عطا فرما اگر میرے گناہوں کے بدلے تو پوری دنیا کو پکڑ رہا ہے تو لے میری پیشانی تیرے حضور حاضر ہے۔

"طبری ج ۱۰ ص ۵۳۰ و ۵۳۱"

(۴)

سفیان ثوری امراء و سلاطین کے یہاں جانا ہمیشہ ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مہدی کے دربار بلائے گئے تو کسی قسم کا شاہی آداب نہیں برتا مہدی نے مزاحاً کہا کہ آپ مجھ سے دور دور رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہونچا سکتا ہوں۔ اب تو آپ میرے قبضہ میں ہیں جیسا چاہوں آپ کے ساتھ معاملہ کروں سفیان ثوری نے جواب دیا۔ جو حکم تم میرے بارے میں دوگے۔ وہی حکم قادر مطلق تمہارے بارے میں دے گا۔ سفیان ثوری کا یہ کہنا ہی تھا کہ خادموں نے اس بے ادبی پر سفیان ثوری کو سزا دینا چاہا۔ لیکن مہدی نے کہا نہیں یہ لوگ کو قتل کر کے خیر و برکت سے محروم ہونا چاہتا ہے اور اسی وقت کوفے کے عہدہ قضا کا فرمان کے سپرد کر دیا اور ان کو یہ آزادی بھی دے کہ ان کے فیصلوں پر کسی قسم کی بھی کوئی مداخلت نہ کی جائے گی۔

سفیان ثوری نے وہ پروانہ لے لیا لیکن باہر نکل کر اس شاہی پروانہ کو دجلہ کی مچلتی ہوئی لہروں کے سپرد کر دیا اور خود کہیں روپوش ہو گئے۔ مہدی نے سفیان ثوری کو بہت تلاش کیا لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔

(مروج الذہب للمسعودی ج ۲ ص ۲۵۰، ۲۵۱)

بقیہ سید سلیمان ندوی

ایک ایک دانہ نہیں ڈھونڈھ سکتے۔ وہ ایک مسجد کی مدافعت میں اپنا خون پانی کی طرح بہا سکتے ہیں لیکن ایک منہدم مسجد کو دوبارہ بنانے کے لئے مسلسل کوشش جاری نہیں رکھ سکتے۔ یہ ان سے ممکن تھا کہ وہ محمد علی اور ابوالکلام کے دائیں بائیں گر کر جان دے دیتے لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں کہ وہ مسلسل آئینی جدوجہد سے ان اسیران اسلام کو چھڑا لائیں۔

اقتباسات ختم ہو گئے اور انھوں نے آپ کے اشتیاق کو اور بیدار کر دیا اللہ کی رحمت ہو اس سلیمان پر جس نے اپنے قلم کو علم اور ادب اور سب سے بڑھ کر مذہب کی خدمت کی لئے وقف رکھا اور اپنے پروردگار کے روبرو جب حاضر ہوا تو سرخ رو ہو کر۔

بقیہ قرآن کا پیام

مدینہ منورہ تو ہمیشہ سے اس کا مرکز رہا ہے۔ اسی پاک و مقدس شہر میں یہ دعوت برگ و بار لائی۔ اور مدینہ منورہ نے جو کچھ کہا دنیا اس کو ماننے اور اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوئی۔

(باقی آئندہ)

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

عربی مدارس کا طریقہ، تعلیم اور نصاب

مولانا اسیر ادروی (اعظم گڑھ)

ہندوستان میں جب مسلمان آئے اور انھوں نے اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی اور استحکام نصیب ہوا تو انھوں نے موجودہ طرز کے مدارس تو نہیں قائم کئے البتہ ہر صاحب علم کا گھر خود ایک مدرسہ بن گیا اور جب غدر ۱۸۵۷ء کے بعد مسلم حکومتوں کو زوال ہوا اور مسلمان قوم کی اقتصادی حالت پست سے پست تر ہونے لگی تو موجودہ طرز کے مدارس کی بنیاد ڈالی گئی کیونکہ جب مسلمانوں کے ہاتھ سے زمام حکومت چھینی گئی اسی وقت اسلام پر بھی ہر طرف سے حملہ شروع کر دیا گیا۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے پیش نظر یہاں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے یورپ کے مایۂ ناز مقررین اور مناظرین کو بھیجا، قدرتی طور پر ان عیسائی مشنریوں کا مقابلہ بھی اسلام ہی سے رہا۔ پادری نسل، پادری فرنچ، پادری ولیم گلبن اور اور پادری فنڈر تو عیسائیت کا مبلغ اعظم تھا اور پورے یورپ کو اس کی قابلیت اور ہمہ دانی پر ناز تھا لیکن ہندوستان میں آکر جب اس نے علمائے اسلام کو دعوت مبارزت دی تو انھیں مدارس کے بوریہ نشین علما یا انھیں میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا رسول جرنیا کوٹی، مولانا سید محمد علی مونگیری نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرخچے اڑا دیئے اور پادریوں کو ہزاروں معزز انگریز افسران و عمائدین حکومت اور مجمع عام میں وہ شکست فاش دی کہ پادری فنڈر تو راتوں رات بھاگ کر یورپ پہونچا، شکست کی ذلت نے اس کا وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا اور ہندوستان میں اس کی شکست کی خبر سنکر اس کا رتبہ گھٹا دیا گیا اور ترکی بھیج دیا گیا اور حالات کے انقلاب کی وجہ سے جب خود مولانا رحمت اللہ کیرانوی ترکی پہونچے تو وہ ترکی سے فرار ہو کر دوبارہ لندن پہنچا اور پوری ذلت کیساتھ اسے گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے مذہبی مباحثوں کا آپ کو علم ہوگا ان بزرگوں نے اسلام کی صداقت کو اس طرح روشن اور تابناک بنا کر پیش کیا کہ پھر کسی کو اس پر گرد ڈالنے کی ہمت نہ ہو سکی یہی

وہ علماء ہیں جنھوں نے ان مدارس کی بنیاد رکھی یہی حالات اور ماحول تھے جن میں ان مدارس کا نظام تعلیم طریقۂ تعلیم اور نصاب طے کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان مدارس کے قیام میں صرف اسی پہلو کو سامنے رکھا گیا کہ ان مدارس سے ایسے علماء تیار ہوں جو اسلامی تعلیمات و روایات کی صداقت و برتری کو ثابت کر سکیں۔ ان میں تنقید نکتہ آفرینی کا وہ جوہر پیدا ہو جائے کہ وہ اسلام کے معترضین کے مقابلے میں جہاں وہ اسلام کی طرف سے کامل طور پر دفاع کر سکیں وہیں معترضین کے معتقدات کی خامیوں کو بھی اجاگر کر سکیں اس لئے ان مدارس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گفتگو کرتے ہوئے اس نصب العین اور مقصد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اصلاح نصاب کے سلسلے میں فلسفۂ قدیم کے بجائے اکثر فلسفۂ جدید کے پڑھائے جانے کا مشورہ دیا جاتا ہے کہ فلسفۂ قدیم ایک فرسودہ اور از کار رفتہ فلسفہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ پہلے بھی یونان کے ایک محدود دور کے محدود گروہ کے خیالات کا محدود حصہ تھا جو قیاس آرائیوں اور متضاد باتوں سے بھرپور ہے کیا بالکل یہی بات فلسفۂ جدید کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی ہے جو فلسفہ مابعد الطبعیات سے بحث کرتا ہے وہ خود متضاد باتوں سے بھرپور ہے اور بعد میں آنے والا ہر فلسفی اپنے پیش رو پر تنقید کرتا ہے اور ان سے ہٹ کر اپنی ایک الگ راہ بناتا ہے۔ مثلاً تخلیقی ارتقا کا نظریہ جو سب سے پہلے فرانسیسی فلسفی لیمارک نے پیش کیا تھا۔ پھر برگسان، الگزینڈر، اور سموئیل بٹلر نے اسی نظریہ کو مختلف تبدیلیوں کے ساتھ اپنایا اور جب ڈارون نے اس نظریہ کو پیش کیا (جو غلطی سے اس نظریہ کا موجد سمجھا جاتا ہے) تو لیمارک سے بہت سی بنیادی باتوں میں مختلف ہو گیا۔ اسی طرح شوپنہار اپسن اور نطشے جیسے فلسفیوں کے خیالات کا آپ جائزہ لیں تو آپ محسوس کریں گے کہ وہ کسی نقطۂ نگاہ کو لیکر تھوڑی دور بھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ تھوڑی ہی دور چل کر ہر ایک کی راہ دوسرے سے الگ ہو جاتی

ہے۔ غرضیکہ فلسفۂ جدید بھی فلسفۂ قدیم کی طرح خود متضاد باتوں اور قیاس آرائیوں سے پُر ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ قیاس، استقراء، تجربہ و مشاہدہ اور قوت استدلال فلسفہ کو جنم دیتے ہیں اور ان میں اختلاف لازمی ہے اس لئے اس بنیاد پر کہ فلسفۂ قدیم متضاد باتوں سے بھرا ہوا ہے اس کی جگہ فلسفۂ جدید کی تعلیم دی جائے ایک سعی لاحاصل ہے۔

جہاں تک فلسفہ اور منطق پڑھانے کا سوال ہے وہ ہمارے مدارس میں اس لئے نہیں پڑھائے جاتے کہ ہمارے علماء اور طلبہ ان اصولوں اور نظریوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان علوم کے ذریعہ طلبہ میں تنقیدی شعور نکتہ آفرینی۔ باریک بینی اور قوت استدلال پیدا ہوتی ہے اور وہ ان علوم کی مدد سے اپنے نقطۂ نگاہ کو زیادہ مدلل طور پر پیش کر سکتے ہیں اور اسلامی روایات و تعلیمات پر اعتراض کرنے والوں کو اپنے موثر طرز استدلال سے خاموش کر سکتے ہیں۔ البتہ اس میں جس قدر غلو انہماک سے کام لیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے اور وقت اور دماغ کا جتنا بڑا حصہ اس پر صرف ہوتا ہے وہ یقیناً قابل افسوس اور قابل تنقید ہے ——— طریقۂ تعلیم میں کچھ خامیاں ضرور ہیں لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم انگریزی اسکولوں کے طریقۂ تعلیم کو دیکھ کر پشیمان ہو سکیں کیونکہ تجربے نے بتایا ہے کہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں اور کالجوں سے نکلے ہوئے طلبہ کی علمی استعداد بھی ناگفتہ بہ ہوتی ہے ان میں نقالی اور دفتروں کی نپی تلی فائلوں کو سمجھنے کی صلاحیت تو آجاتی ہے لیکن علمی بصیرت بالکل مفقود ہوتی ہے۔ ان میں خود غرضی، جلب منفعت اور مادیت اتنی غالب ہوتی ہے۔ ان کے کردار و عمل کی گاڑی خلوص کی آب و تاب سے محروم ہوتی ہے۔ آج مسلمانوں میں ہزاروں اور لاکھوں افراد نے انگریزی کی اونچی سے اونچی تعلیم حاصل کی ہے لیکن ان میں سے ان افراد کا تناسب کیا تھا جنھوں نے اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھا کر مذہب و ملت کی کوئی خدمت انجام دی؟ اتنا بھی نہیں ہوا کہ انگریزی زبان میں شائع ہونے والی ان کتابوں ہی کو اردو میں منتقل کر دیا ہوتا جو اسلامی تعلیمات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان میں اکثر افراد کے طائر فکر کی پرواز بس اتنی تھی کہ وہ دستو وسکی بیکیم گورکی، تورگنیف، نکولائی، سومرسیٹ مام اور جارج برنارڈ شا کے ادبی چمن زاروں میں جا بیٹھے اور ان کے افسانوں اور ڈراموں اور ناولوں کے تراجم کے گل بوٹوں میں الجھ کر رہ گئے۔

(بقیہ ص ۱۱ پر)

کلکتہ کے واقعات کی اہمیت کا اندازہ آپ

یہاں بیٹھ کر نہیں لگا سکتے

(مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت کا بیان)

تاریخ شاہد ہے کہ جس حکومت میں انسان و انسانیت کا تحفظ نہیں ہوتا۔ جہاں انسانوں کے مال و عزت کو پامال کیا جاتا ہے۔ جہاں انسانوں کے جانوں کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو وہ حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ خدا کی خدائی میں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا۔ کلکتہ میں جو کچھ ہوا بہت بُرا ہوا۔ ہم نے جو کچھ اخبارات میں پڑھا ہے یا لوگوں سے سنا ہے وہ کلکتہ میں ہونے والے واقعات کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔ کلکتہ میں جو واقعات پیش آئے ہیں اس کا تصور بھی ہمارے آپ کے لئے مشکل ہے اس لئے فساد کلکتہ کے واقعات کی اہمیت کا اندازہ آپ یہاں بیٹھے نہیں کر سکتے لیکن آپ کو اس قسم کے واقعات و حوادث سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ آپ ناامید نہ ہوں اپنے دلوں کو ہاتھ میں لیں۔ قابو میں رکھیں، اور خدا پر بھروسہ کریں۔ بلکہ ہمیں ہر وقت مصائب و تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

میرے بھائی آپ مسلمان ہیں آپ کا ایمان کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس لئے آپ کو مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آزمائشوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ آپ نے کلمہ پڑھ کر خود حوادث و آلام کو دعوت دی ہے۔ مسلمان اگر یہ سوچتا ہے کہ ہمیں کوئی تکلیف نہ پہونچائے، بُرا بھلا نہ کہے، ہمارے تلوے میں کوئی کانٹا نہ چبھے، اچھا کھانا اچھا پہننا نصیب ہو اور اسی حالت میں موت آجائے۔ کبھی کوئی خطرہ و خوف لاحق نہ ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ اسلامی زندگی نہیں ہے۔ جب آپ نے کلمہ پڑھا ہے تو آپ کی آزمائش جان کے ذریعے بھی ہوگی اور مال کے ذریعے بھی آپ کو خطرات میں مبتلا ہونا پڑے گا اور آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ ان باتوں سے گھبرانا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہیں بڑھے ہیں اور یہیں یہیں مرنا ہے۔ اس ملک میں ہمارا حق ہے۔ اس ملک کو ترقی دینا اور اس کے کاموں میں حصہ لینا ہمارا فریضہ ہے اس قسم کے حوادث ہمارے ارادوں کو بدل نہیں سکتے اور نہ ہمارے قدموں میں ڈگمگاہٹ پیدا کر سکتے ہیں۔

بہر حال میں آپ سبھوں کا مشکور ہوں کہ آپ نے میری دعوت پر لبیک کہا اور کلکتہ کے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے جو کچھ ہو سکا دیا۔ لیکن آپ کے شہر سے جو رقم گئی ہے وہ شاید ایک گھر کے نقصان کے برابر بھی نہ ہو۔ ہمارے بہت سے بھائی یہ چاہتے ہیں کہ فطرہ کا پونے دو سیر گیہوں دے کر کام چلا دیا جائے لیکن یاد رکھئے اس سے آپ کا فرض ادا نہ ہوگا۔ اتنا تو آپ کو نکالنا ہی تھا۔ کلکتہ کے مظلومین کے لئے اپنی گاڑھی کمائی میں سے دیجئے۔ کلکتہ ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں سے ہندوستان کے اجتماعی کام کو امداد ملی ہے۔ شاید ہی ہندوستان کا کوئی ادارہ ہو جس کا دامن کلکتہ کی امداد سے خالی رہا ہو۔ آج اس کلکتہ کو خود امداد کی ضرورت ہے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ایسے موقع پر دل کھول کر امداد کریں اپنے فرض کو پہچانیں اور اسے انجام دیں۔

بقیہ اداریہ

اور اس مبارک دن کا بےچینی سے منتظر ہو جب اس کو رخصت کا پروانہ ملے اور وہ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو جائے ——— یہ وہ صحیح موقف اور طرز عمل ہے جو قرآن کو مطلوب ہے اور جسکے ساتھ خدا کی رضا اور اسکی نصرت و مدد اور اسکے غیر محدود انعامات اور نہ ختم ہونے والا اجر وابستہ ہے اور عزت و سرفرازی کا وعدہ ہے۔

آل انڈیا مسلم گرلس ایجوکیشن بورڈ

از عبدالرزاق خاں

تعلیم نسواں کے دوسرے فوائد سے قطع نظر اب مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ضرورت سے زیادہ اہم بن گیا ہے۔ اور اب اس کی مخالفت کرنا تاریخ کے پہیے کو پیچھے کی طرف گھمانا ہے۔

ملک کا نظام تعلیم جن بنیادوں پر چلایا گیا ہے اور اس کا جو رخ ہے۔ اس نے مسلمان لڑکوں کے لئے زندگی و موت کا یعنی ان کے مسلمان رہنے نہ رہنے کا سوال پیدا کر دیا ہے لیکن ان سے بھی زیادہ نازک معاملہ مسلمان لڑکیوں کا ہے۔ کو ایجوکیشن اور دوسرے کلچرل پروگراموں کے جو اثرات لڑکیوں کے مزاج و کردار پر پڑ رہے ہیں اور اس کے جو نتائج نکل سکتے ہیں بلکہ نکلنا شروع ہو گئے ہیں وہ اس قدر خوفناک ہیں جن کے تصور ہی سے روح لرز جائے۔

انہی چیزوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر عام طور پر یہ احساس شدت سے ابھر رہا ہے کہ اگر ہمیں اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنا ہے تو ان کی تعلیم کا انتظام خود ہی کرنا پڑے گا اور خدا کے فضل سے مسلمانوں نے جگہ جگہ اس سلسلہ میں عملی کوششیں بھی شروع کر دی ہیں۔ یہ سب کوششیں ابتدائی ہونے کے باوجود انتہائی قابل قدر ہیں اور انشاء اللہ ان کے بہتر نتائج نکلیں گے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اب مزید کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔

اس احساس کے تحت اب سے چند سال پہلے اچھاور (ICHHAVAR) (بھوپال) میں "اسلامی امتحانات" کا سلسلہ شروع کیا گیا جو خدا کے فضل و کرم سے توقع سے بھی زیادہ کامیاب اور نتیجہ خیز رہا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔

اسلامی امتحانات

کے حوصلہ افزا نتائج نے اور برادران ملت کی ہمت افزائی نے ادارہ کے کارکنوں کو یہ حوصلہ بخشا کہ ملت کی بچیوں کے لئے ایسے امتحانات کا سلسلہ شروع کریں جس کے ذریعے صرف دینی حقائق ہی کی تعلیم نہ ہو بلکہ سرکاری اسکولوں میں پڑھائے جانے والے ہر علم کے مبادیات کی تعلیم اس انداز میں ہو جائے کہ ساتھ ہی ساتھ طالبات کو دین کا بھی ابتدائی و ضروری علم حاصل ہو جائے تاکہ وہ ایک طرف تو اپنے دین اور اپنی تہذیب سے ناواقف نہ رہیں اور دوسری طرف مروجہ تعلیم میں بھی پیچھے نہ رہنے پائیں۔

آل انڈیا مسلم گرلس ایجوکیشن بورڈ اسی کوشش کا نام ہے جس کے زیر اہتمام تین امتحانات لئے جاتے ہیں۔

(۱) مسلم گرلس پرائمری اسکول اکزامیشن

(۲) مسلم گرلس مڈل اسکول اکزامیشن — اور

(۳) مسلم گرلس ہائر سیکنڈری اسکول اکزامیشن

اس سلسلہ میں بورڈ کے کمزور خادم جتنا کچھ سوچ سکے اس کا حاصل نصاب اور قواعد و ضوابط

(بقیہ ص ۱۸ پر)

نصاب درجات خصوصی دارالعلوم ندوۃ العلماء

مدت تعلیم صرف پانچ سال

اس مرحلۂ تعلیمی میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے ذیل کی شرائط ضروری ہیں۔

(۱) ہندوستانی طالب علم کم از کم انٹر میجیٹ سکنڈ ڈویزن یا بی اے تھرڈ ڈویزن کامیاب ہو۔ بیرونی ممالک کے طلبہ کے لئے جن کے یہاں انگریزی زبان کا رواج بہت عام ہو صرف اتنا کافی ہے کہ وہ انگریزی بولنے، لکھنے، اور سمجھنے میں مہارت رکھتے ہوں۔ معمولی امتحان داخلہ کے بعد ان کو خصوصی میں داخلہ کی اجازت مل سکے گی۔

درجہ خصوصی سال پنجم کا نصاب چونکہ بجنسہٖ وہی ہے جو دارالعلوم کے عالمیت سال آخر کا ہے۔ لہٰذا اس درجہ میں کامیابی پر طالب علم کو سند عالمیت دی جائے گی۔ نصاب حسب ذیل ہے:۔

درجہ خصوصی سال اول روزانہ چھ گھنٹے ہر گھنٹہ ۵۰ منٹ

موضوع	مضامین نصاب	ہفتہ میں گھنٹوں کی تعداد
عربی زبان	قصص النبیین اول ودوم القراءۃ الراشدہ اول ودوم	۶
معلومات دین	اسلام کیا ہے	۶
صرف	تمرین الصرف مع مشق وتمرین	۶
نحو	تمرین النحو مع مشق وتمرین	۶
عقائد ومسائل	تقویۃ الایمان وتعلیم الاسلام از مولانا عبدالحی صاحب حسنی	۶
اردو	مطالعہ اردو	۶
		/۳۶

درجہ خصوصی سال دوم روزانہ ۶ گھنٹے ہر گھنٹہ ۵۰ منٹ

موضوع	مضامین نصاب	ہفتہ میں گھنٹوں کی تعداد
حدیث	ریاض الصالحین ایک ثلث کتاب	۴
اخلاق	مع قصص النبیین حصہ ثالث	۲
ادب عربی	القراءۃ الراشدہ سوم منثورات وکلیلہ ودمنہ انتخاب	۶
نحو	ہدایۃ النحو وشرح شذور الذہب ایک ثلث	۶
صرف	کتاب الصرف اعادہ وشذی العرف ایک ثلث	۶
فقہ	نور الایضاح وقدوری	۶
انشاء	معلم الانشاء اول بقیہ ودوم نصف اول	۶
		/۳۶

درجہ خصوصی سال سوم روزانہ ۶ گھنٹے ہر گھنٹہ ۵۰ منٹ

موضوع	مضامین نصاب	ہفتہ میں گھنٹوں کی تعداد
تفسیر	قرآن مجید (سور مختارۃ)	۶
حدیث	ریاض الصالحین بقیہ دو ثلث	۶
فقہ	شرح النقایہ	۶
ادب	مختارات اول وباب الادب من الحماسہ	۴
انشاء	معلم الانشاء بقیہ حصہ دوم	۲
جغرافیہ	جغرافیہ جزیرۃ العرب	۲
نحو	شرح شذور الذہب بقیہ دو ثلث	۳
بلاغت	البلاغۃ الواضحہ	۳
صرف	شذا العرف بقیہ دو ثلث	۶
		/۳۶

درجہ خصوصی سال چہارم روزانہ ۶ گھنٹے ہر گھنٹہ ۵۰ منٹ

موضوع	مضامین نصاب	ہفتہ میں گھنٹوں کی تعداد
تفسیر	قرآن مجید والعقیدۃ الحسنہ	۶
حدیث	مشکوٰۃ شریف جلد اول مع مقدمہ	۶
•	مشکوٰۃ شریف جلد ثانی	۶
فقہ	ہدایہ اول مع سراجی	۶
ادب	مختارات دوم ومختار الشعر الاسلامی والجاہلی	۶
علوم عقلیہ	المنطق والفلسفہ	۳
ادب دینی	مسائل ترمذی ومعلم الانشاء سوم	۳
		/۳۶

درجہ خصوصی سال پنجم (عالمیت سال آخر) روزانہ ۶ گھنٹے ہر گھنٹہ ۵۰ منٹ

موضوع	مضامین نصاب	ہر ہفتہ گھنٹوں کی تعداد
تفسیر	تفسیر سور مختارۃ الفوز الکبیر	۶
حدیث	جامع الترمذی وابواب من صحیح البخاری	۶
	الموطأ للامام مالک	۲
اصول حدیث	نخبۃ الفکر	۲
فقہ	الہدایہ الجزء الثانی	۵
اصول فقہ	المدخل الی اصول الفقہ	۳
العقیدہ	شرح الفقہ الاکبر	۳
الادب العربی	کتاب فی النقد والادب	۳
الانجلیزیۃ	علی گڑھ یونیورسٹی اینڈ بی اے کورس معارف عامۃ جنرل ایجوکیشن	۳
		/۳۶
المقالہ	علی الطالب أن یختار موضوعاً علمیاً ویکتب علیہ مقالۃ لا تقل عن ۴۰ صفحۃ وعلیہا یترتب نیلہ الشہادۃ	

بقیہ آل انڈیا مسلم گرلس ایجوکیشن بورڈ

کی شکل میں پیش ہے۔ کیونکہ یہ نقش اول ہے۔ اس لئے یقیناً ابھی اس میں اصلاح وترمیم کی کافی گنجائش ہوگی۔ ہم کو اپنے بزرگان ملت سے امید ہے کہ وہ اپنے قیمتی مشوروں سے ہماری مدد فرمائیں گے۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی چند اردو مطبوعات

مقالات سیرت

از:۔ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے، پی ایچ، ڈی

سیرت محمدی کے موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں جو لکھا گیا ہے اس کا شمار مشکل ہے، اردو اس باب میں خاص امتیاز رکھتی ہے جسمیں بڑی سے بڑی ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر آصف نے مقالات سیرت کے نام سے یہ کتاب تعلیم یافتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کیلئے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہے۔

کتابت وطباعت دیدہ زیب، سائز ۱۸×۲۲، صفحات ۲۸۰۔ قیمت مجلد مع گرد پوش ۴/۵۰

طوفان سے ساحل تک

از:۔ محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس)

ترجمہ:۔ محمد الحسنی (مدیر البعث الاسلامی)

اس کتاب میں مغربی زندگی کے اس طوفان کی تصویر پیش کی گئی ہے جس سے گزر کر محمد اسد صاحب قلبی و روحانی سکون کے ساحل تک پہونچے اور ایمان سے بہرہ یاب ہوئے، اس میں مغربی تہذیب کی مکمل تصویر بھی ہے اور اسلامی معاشرہ کی خصوصیات پر بہت خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مفصل مقدمہ کے ساتھ۔

کتابت، طباعت معیاری، کاغذ اعلیٰ۔ قیمت:۔ مجلد پانچ روپے

ہندوستانی مسلمان

از:۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا کردار، انکے شہرۂ آفاق علمی وتعمیری کارنامے، زندگی وتمدن پر ان کی گہری چھاپ، جنگ آزادی میں قیادت ورہنمائی، اور انکے موجودہ مسائل ۔۔ یہ کتاب درحقیقت سینکڑوں کتابوں کا خلاصہ ہے۔

مجلد سہ رنگا گرد پوش قیمت ۳/۵۰ عربی ایڈیشن ۳/۵۰ ...ریزی ۶/-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ